منگل 02 نومبر 2021ء | 26 ربیع الاول 1443 ہجری قمری | 02 نبوت 1400 ہجری شمسی | جلد:3 | شمارہ:260

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوہریرہؓ کے زیادہ احادیث بیان کرنے کی وجہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا کہ تم تو کہتے ہو کہ ابوہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بہت بیان کرتا ہے اور کہتے ہو کہ مہاجرین اور انصار کو کیا ہوا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی حدیثیں بیان نہیں کرتے جیسے ابوہریرہ حدیثیں بیان کرتا ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ میرے مہاجرین بھائیوں کو بازاروں میں سودا سلف کے لین دین کا شغل رہتا اور میں جونہی اپنا پیٹ بھر لیتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چمٹا رہتا۔ میں حاضر رہتا جبکہ وہ غائب ہوتے اور میں یاد رکھتا اور وہ بھول جاتے اور میرے انصار بھائی اپنے مالی کاروبار میں مشغول رہتے اور میں مساکین اہل صفہ میں سے ایک شخص تھا۔

(بخاری، کتاب البیوع بَابُ مَا جَآءَ فِی قَوۡلِ اللّٰہِ تَعَالٰی فَإِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ)

حضرت سلطان القلمؑ کے رشحات قلم

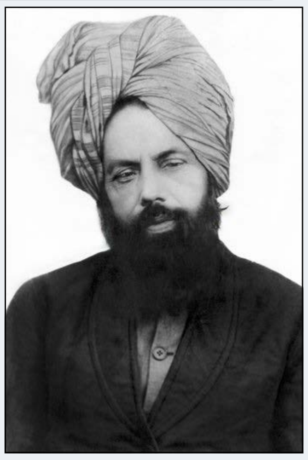

دین کو دنیا پر مقدم رکھیں

قُلۡ اِنۡ کَانَ اٰبَآؤُکُمۡ وَ اَبۡنَآؤُکُمۡ وَاِخۡوَانُکُمۡ وَ اَزۡوَاجُکُمۡ۔۔۔ (التوبہ:24) یعنی ان کو کہدے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہاری برادری اور تمہارے وہ مال جو تم نے محنت سے کمائے ہیں اور تمہاری سوداگری جس کے بند ہونے کا تمہیں خوف ہے اور تمہاری خوبیاں جو تمہارے دل پسند ہیں، خدا سے اور اس کے رسول سے اور خدا کی راہ میں اپنی جانوں کو لڑانے سے زیادہ پیارے ہیں تو تم اس وقت تک منتظر رہو کہ جب تک خدا اپنا حکم ظاہر کرے اور خدا بدکاروں کو کبھی اپنی راہ نہیں دکھائے گا۔

ان آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ خدا کی مرضی کو چھوڑ کر اپنے عزیزوں اور اپنے مالوں سے پیار کرتے ہیں وہ خدا کی نظر میں بدکار ہیں وہ ضرور ہلاک ہوں گے کیونکہ انہوں نے غیر کو خدا پر مقدم رکھا۔ یہی وہ تیسرا مرتبہ ہے جس میں وہ شخص باخدا بنتا ہے جو اس کے لئے ہزاروں بلائیں خریدے اور خدا کی طرف ایسے صدق اور اخلاص سے جھک جائے کہ خدا کے سوا کوئی اس کا نہ رہے گویا سب مرگئے۔ پس سچ تو یہ ہے کہ جب تک ہم خود نہ مریں زندہ خدا نظر نہیں آ سکتا۔ خدا کے ظہور کا دن وہی ہوتا ہے کہ جب ہماری جسمانی زندگی پر موت آوے۔ ہم اندھے ہیں جب تک غیر کے دیکھنے سے اندھے نہ ہو جائیں۔ ہم مردہ ہیں جب تک خدا کے ہاتھ میں مردہ کی طرح نہ ہو جائیں۔ جب ہمارا منہ ٹھیک ٹھیک اس کے محاذات میں پڑے گا تب وہ واقعی استقامت جو تمام نفسانی جذبات پر غالب آتی ہے ہمیں حاصل ہو گی اس سے پہلے نہیں اور یہی وہ استقامت ہے جس سے نفسانی زندگی پر موت آجاتی ہے۔ ہماری استقامت یہ ہے کہ جیسا وہ فرماتا ہے کہ:

بَلٰی ٭ مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡہَہٗ لِلّٰہِ وَ ھُوَ مُحۡسِنٌ (البقرہ:113)

یعنی یہ کہ قربانی کی طرح میرے آگے گردن رکھ دو۔ ایسا ہی ہم اس وقت درجۂ استقامت حاصل کریں گے کہ جب ہمارے وجود کے تمام پرزے اور ہمارے نفس کی تمام قوتیں اسی کام میں لگ جائیں اور ہماری موت اور ہماری زندگی اسی کے لئے ہو جائے ۔۔۔تب وہ خدا جو ہمیشہ سے پیار کرنے والوں کے ساتھ پیار کرتا آیا ہے اپنی محبت کو اس پر اتارتا ہے اور ان دونوں محبتوں کے ملنے سے انسان کے اندر ایک نور پیدا ہوتا ہے جس کو دنیا نہیں پہچانتی اور نہ سمجھ سکتی ہے اور ہزاروں صدیقوں اور برگزیدوں کا اسی لئے خون ہوا کہ دنیا نے ان کو نہیں پہچانا۔ وہ اسی لئے مکار اور خودغرض کہلائے کہ دنیا ان کے نورانی چہرہ کو دیکھ نہ سکی۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 382-384)

ارشاد باری تعالیٰ

قُلۡ اِنۡ کَانَ اٰبَآؤُکُمۡ وَ اَبۡنَآؤُکُمۡ وَ اِخۡوَانُکُمۡ وَ اَزۡوَاجُکُمۡ وَ عَشِیۡرَتُکُمۡ وَ اَمۡوَالُ ۣ اقۡتَرَفۡتُمُوۡھَا وَ تِجَارَۃٌ تَخۡشَوۡنَ کَسَادَھَا وَ مَسٰکِنُ تَرۡضَوۡنَھَاۤ اَحَبَّ اِلَیۡکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ جِھَادٍ فِیۡ سَبِیۡلِہٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰہُ بِاَمۡرِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یَھۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۲۴﴾

(التوبہ:24)

ترجمہ: تو کہہ دے کہ اگر تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہارے ازواج اور تمہارے قبیلے اور وہ اموال جو تم کماتے ہو اور وہ تجارت جس میں گھاٹے کا خوف رکھتے ہو اور وہ گھر جو تمہیں پسند ہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ پیارے ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ لے آئے اور اللہ بدکردار لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

فرمان خلیفہ وقت

’’ہمیں اللہ تعالیٰ کی رضا اس وقت ملے گی جب دنیا ہمارے دین پر حاوی نہیں ہو گی بلکہ دین دنیا پر حاوی ہو گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے دنیا کمانے سے منع نہیں کیا۔ دنیا کی کوئی چیز جسے خدا تعالیٰ نے حرام نہیں کیا، ناجائز نہیں ہے۔ اعلیٰ لباس پہننا، عمدہ قسم کے کھانے کھانا، عمدہ مکانوں میں رہنا اور ان کی سجاوٹ کرنا ان میں سے کوئی چیز بھی ناجائز نہیں ہے۔سب جائز ہیں۔ لیکن ان چیزوں کا اسلام کی ترقی میں روک ہو جانا ناجائز ہے۔ لوگ شادیاں کرتے ہیں شریعت یہ نہیں کہتی کہ تم بدصورت عورت تلاش کر کے شادی کرو۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صرف دنیا دیکھنے کی بجائے عورت کی دینی حالت بھی دیکھ لیا کرو۔

(صحیح بخاری کتاب النکاح باب الاکفاء فی الدین حدیث نمبر 5090)

شریعت یہ کہتی ہے کہ عورت تمہاری عبادت کے راستے میں روک نہ ہو۔عورتیں تمہیں نمازوں سے غافل نہ کریں۔ اگر ہمارے لڑکے اور لڑکیاں اس بات کا خیال رکھیں بلکہ ان کے ماں باپ بھی تو دین مقدم کرنے سے گھروں کے مسائل بھی حل ہو جائیں گے اور وہ مقصد بھی حاصل ہو جائے گا جو ایک مومن کا مقصد ہے کہ خدا تعالیٰ کی رضا حاصل ہو۔

اسی طرح لباس ہے۔ یہ ہرگز منع نہیں کہ عمدہ لباس نہ پہنو لیکن اس سے ضرور روکا گیا ہے کہ ہر وقت اتنے فیشن میں ڈوبے نہ رہو کہ دینی کام سے غافل ہو جاؤ۔ ہر جگہ تمہیں یہ احساس رہے کہ فلاں جگہ میں جاؤں گا تو میرا لباس گندہ ہو جائے گا۔ گویا کسی وقت

بقیہ صفحہ 4 پر

اس شمارہ میں

- غصہ میں بھرا ہوا خدا ہے (منظوم)
- کتاب تعلیم کی تیاری
- عفو و درگزر
- سائنس میگزین

دربارِ خلافت

بچوں کو بچپن سے نماز کی عادت ڈالنی چاہیئے

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

پھر یہ بھی ہے کہ چھٹی کے دن بعض مجبوریاں ہوتی ہیں، بعض فیملی کے اپنے پروگرام ہوتے ہیں، چھٹی کے دن اگر فیملی کا کہیں باہر جانے کا پروگرام ہے تو اور بات ہے، لیکن اگر نہیں ہے تو پھر مسجد میں زیادہ سے زیادہ نمازوں کے لئے آنا چاہیئے اور بچوں کو ساتھ لانا چاہیئے۔ بہت سے لوگ کہتے ہیں جی بچوں کو مسجد میں آنے کی عادت نہیں ہے، بعض بچے بگڑ رہے ہیں۔ اُن کا علاج تو اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ بچپن سے اُن کو اس بات کی عادت ڈالیں کہ وہ خدا کا حق ادا کریں اور وہ حق نمازوں سے ادا ہوتا ہے۔ بچوں کو بچپن سے اگر یہ احساس ہو کہ نماز ایک بنیادی چیز ہے جس کے بغیر مسلمان مسلمان کہلا ہی نہیں سکتا تو پھر جوانی میں یہ عادت پختہ ہو جاتی ہے اور پھر یہ شکوے بھی نہیں رہیں گے کہ بچے بگڑ گئے۔ تفریح کے لئے بھی اگر جائیں، اگر کوئی پروگرام ایسا ہے تو جہاں دنیاوی دلچسپی کے سامان کر رہے ہیں، وہاں خدا کی رضا کے حصول کے لئے، جہاں بھی ہوں، پوری فیملی وہاں پر باجماعت نماز ادا کرے۔ میرا تو یہ تجربہ ہے اور بہت سے لوگوں کے یہ تجربے ہیں جو مجھے بتاتے ہیں کہ تفریح کی جگہوں پر جب اس طرح میاں بیوی اور بچوں نے نماز کے وقت نماز باجماعت ادا کی تو ارد گرد کے لوگوں میں دلچسپی پیدا ہوئی اور اُن کو دیکھنے لگے اور پھر تبلیغ کے راستے کھلتے ہیں، تعارف حاصل ہوتا ہے۔

عموماً عام دنیادار کو مسلمانوں کے بارے میں یہی تصور ہے کہ مسلمانوں میں نماز وہی پڑھتے ہیں جو شدت پسند ہیں۔ جب یہ لوگ دیکھتے ہیں کہ یہ تفریح کرنے والے بچے اور بڑے نماز پڑھ رہے ہیں اور لباس بھی اُن کے یہاں کے لوگوں کے لباس کے مطابق پہنے ہوئے ہیں، لیکن عبادت میں انہماک ہے تو ضرور توجہ پیدا ہوتی ہے۔ جیسا کہ مَیں نے کہا کہ کئی ایسے ہیں جو اپنے تجربات بیان کرتے ہیں کہ کس طرح نماز کی وجہ سے بعض غیروں کی اُن کی طرف توجہ پیدا ہوئی اور یوں تبلیغ کے راستے کھلے۔ پس کسی قسم کے احساسِ کمتری میں ہمیں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے، نہ بچوں کو، نہ بڑوں کو۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ دنیا میں دینی اور روحانی انقلاب ہم نے پیدا کرنا ہے، تو یہ دینی اور روحانی انقلاب وہی لوگ پیدا کر سکتے ہیں جو ہر قسم کے احساسِ کمتری سے آزاد ہوں اور اپنے اندر سب سے پہلے دینی اور روحانی انقلاب پیدا کرنے والے ہوں۔ اور یہ دینی اور روحانی انقلاب بغیر عبادت کا حق ادا کئے پیدا نہیں ہوسکتا اور عبادت کے حق کے لئے سب سے اہم اور ضروری چیز نماز ہے۔ پس اپنی نمازوں کی حفاظت کریں۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔ حٰفِظُوۡا عَلَی الصَّلَوٰتِ (البقرہ: 239) اپنی نمازوں کی حفاظت کرو۔ حَفَظَ کے معنیٰ ہیں کہ باقاعدگی اختیار کرنا اور پھر اُس کی نگرانی کرنا۔ اور پھر فرمایا ہر اُس نماز کی خاص طور پر نگرانی کرو اور اُس کی حفاظت کرو جو صلوٰۃ وسطیٰ ہے، یعنی جو نماز تمہاری مصروفیات کے درمیان میں آتی ہے، یا وہ نماز جو کسی بھی وجہ سے، دنیاوی مصروفیات کی وجہ سے، وقت پر اور اہتمام کے ساتھ ادا نہ کی جاسکے اُس کی بہرحال خاص طور پر حفاظت کرنی ہے۔ کیونکہ نمازوں کی سستی تمہیں فرمانبرداروں کی فہرست سے باہر نکال دیتی ہے۔ اس لئے نمازوں کی حفاظت کی طرف خدا تعالیٰ توجہ دلاتا ہے اور پھر خاص طور پر اُن نمازوں کی حفاظت اور ادائیگی کی طرف توجہ دلاتا ہے جو تمہارے نفس کی سستی اور دنیاوی مصروفیات کی وجہ سے ادا نہیں ہو رہیں یا اُن کا حق ادا کرتے ہوئے ادا نہیں ہو رہی۔ بعض جلدی جلدی نماز پڑھ لیتے ہیں یہ نماز کا حق ادا کرنا نہیں ہے۔ کیونکہ آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَقُوۡمُوۡا لِلّٰہِ قٰنِتِیۡنَ (البقرہ: 239) اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہو کر کھڑے ہو جاؤ۔ یعنی مکمل توجہ نماز پر ہو۔ پھر دنیاوی خیالات اور خواہشات ذہن پر قبضہ نہ کریں۔ ذہن میں یہ ہو کہ جس خدا کے سامنے میں کھڑا ہوں اُس کے احکامات کی کامل اطاعت کرنی ہے۔ پس جب یہ حالت ہوتی ہے تو پھر ایسے نمازیوں کے بارے میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ نمازیں بھی تمہاری حفاظت کرنے والی ہوں گی اور تمہاری نگران بن جائیں گی، تمہیں برائیوں سے روکیں گی، تمہارے گھروں کو برکتوں سے بھر دیں گی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ: ’’مَیں نے اپنی جماعت کو یہی نصیحت کی ہے کہ وہ بے ذوقی اور بے حضوری پیدا کرنے والی نمازیں نہ پڑھیں بلکہ حضورِ قلب کی کوشش کریں جس سے اُن کو سرور اور ذوق حاصل ہو۔‘‘

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 345-346 ایڈیشن 2003ء)

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡکَرِ (العنکبوت: 46) کہ یقیناً نماز ناپسندیدہ اور بری باتوں سے روکتی ہے۔ پس ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ نماز لغویات اور بری باتوں سے روکتی ہے لیکن ہر نماز نہیں اور ہر نمازی کو نہیں۔ ہر نمازی برائیوں سے نہیں رُک سکتا، صرف وہ نمازی اپنی اصلاح کر سکتا ہے یا نماز اُس نمازی کی اصلاح کرتی ہے جو کامل فرمانبرداری سے ادا کی جائے۔ یہ سمجھ کر ادا کی جائے کہ خدا تعالیٰ میری ہر حرکت وسکون کو دیکھنے والا ہے اور اُس خدا کے سامنے مَیں کھڑا ہوں جو میری ہر حرکت وسکون کو دیکھ رہا ہے۔ یہ کامل فرمانبرداری والی نمازیں ہیں جو انسان کی حفاظت کرتی ہیں اور نگرانی کرتی ہیں، اور جن گھروں میں پڑھی جاتی ہیں، اُن گھروں کے رنگ ہی کچھ اَور ہو جاتے ہیں۔ پس ایسی نمازوں کی تلاش ہمیں کرنی چاہیئے، تبھی ہم اپنے عہدِ بیعت کو حقیقی طور پر نبھا سکتے ہیں۔ یہ نہیں کہ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو توجہ اپنے دنیاوی کاموں اور خواہشات کی طرف ہو۔ یا کبھی نماز پڑھ لی، کبھی نہ پڑھی۔ پس مَیں پھر کہتا ہوں کہ ہم میں سے ہر ایک کو اپنے جائزے لینے کی ضرورت ہے۔ ان ملکوں میں رہنے والے دنیاوی مصروفیات کی وجہ سے نمازوں کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ گو اب تیسری دنیا میں بھی شہروں میں رہنے والوں کا یہی حال ہے۔ لیکن بہرحال پھر بھی کچھ نہ کچھ ایک ایسی تعداد ہے جو مسجدوں میں جانے والی ہے۔ باوجود اس کے کہ اسلام کے اس اہم دینی فریضہ کی طرف مَیں بار بار توجہ دلاتا ہوں، میرے سے پہلے خلفاء بھی اس طرف بہت توجہ دلاتے رہے۔ اب تو اس زمانے میں خدا تعالیٰ نے بقیہ صفحہ 10 پر

غصہ میں بھرا ہوا خدا ہے

غصہ میں بھرا ہوا خدا ہے
جاگو ابھی فرصتِ دعا ہے
تم کہتے ہو امن میں ہیں ہم، اور
منہ کھولے ہوئے کھڑی بلا ہے
ڈرتی نہیں کچھ بھی تو خدا سے
اے قوم! یہ تجھ کو کیا ہوا ہے
مامور خدا سے دشمنی ہے
کیا اس کا ہی نام اتقا ہے
گمراہ ہوئے ہو باز آؤ
کیا عقل تمہاری کو ہوا ہے
موسیٰؑ کے غلام تھے مسیحاؑ
ہاں ان سے ہمارا کام کیا ہے
اب رہبر راہ کوئے دلبر
واللہ غلامِ مصطفیٰ ہے
کس راہ سے ابن مریمؑ آئے
مدت ہوئی وہ تو مر چکا ہے
اب اور کا انتظار چھوڑو
آنا تھا جسے وہ تو آ چکا ہے
جس کو کیا ہے خدا نے مامور
اس سے بھلا تم کو کیا گلہ ہے
کیوں بھولے ہو دوستو ادھر آؤ
اک مردِ خدا پکارتا ہے
باز آؤ شرارتوں سے اپنی
کچھ تم میں اگر بوئے وفا ہے
ورنہ ابھی غافلو تمہارے
آئے گا وہ آگے جو کیا ہے
تقدیر سے ہو چکا مقدر
قسمت میں تمہاری زلزلہ ہے
وہ دن کہ جب آئے گی مصیبت
آنکھوں میں ہماری گھومتا ہے
حیرانی میں ایک دوسرے سے
اُس دن یہ کہے گا ہیں یہ کیا ہے؟
چکھیں گے مزا عذاب کا جب
جانیں گے کہ ہاں کوئی خدا ہے
پتھر بھی پکار کر کہیں گے
ان کافروں کی یہی سزا ہے
اے قوم خدا کے واسطے تُو
بتلا کہ جو تیرا مدعا ہے
حق نے جسے کردیا ہے مامور
تسلیم میں اس کی عذر کیا ہے
اللہ سے چاہو عفوِ تقصیر
دیتا ہے اسے جو مانگتا ہے
محمود خدائے لم یزل سے
ہر وقت یہی مری دعا ہے
اُس شخص کو شاد رکھے ہر دم
جو دینِ قویم پر فدا ہے
اور اس کو نکالے ظلمتوں سے
جو شرک میں کفر میں پھنسا ہے

(کلام محمود)

خطبہ عید الفطر

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمودہ مورخہ 14؍مئی 2021ء بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ، (سرے) یوکے

ایک مسلمان حقیقی مومن اسی وقت بن سکتا ہے جب حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی طرف توجہ رہے

رمضان کا فیض اس صورت میں حاصل ہو گا جب انسان میں پاک تبدیلیاں مستقلاً پیدا ہو جائیں اور عید کی خوشیاں بھی اس وقت حاصل ہوں گی جب یہ تبدیلیاں ہمیشہ کے لیے زندگی کا حصہ بن جائیں

جو وقف کرنے والے ہیں وہ اپنے وقف کی روح کو سمجھیں اور اس کو ہمیشہ سامنے رکھیں کہ انہوں نے ہر کام اللہ تعالیٰ کی خاطر کرنا ہے

اسلام کا منشا یہ ہے کہ بہت سے ابراہیم بنائے۔ پس تم میں سے ہر ایک کو کوشش کرنی چاہئے کہ ابراہیم بنو

ہر کام کرنے سے پہلے سوچ لو اور دیکھ لو کہ اس کام سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گا یا ناراض

حقیقی مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس قسم کی فطرت حاصل کی جاوے کہ خدا تعالیٰ کی محبت اور اطاعت کسی جزا و سزا کے خوف اور امید کی بناء پر نہ ہو بلکہ فطرت کا طبعی خاصہ اور جزو ہو کر ہو پھر وہ محبت بجائے خود اس کے لیے ایک بہشت پیدا کر دیتی ہے اور حقیقی بہشت یہی ہے

بیعت کے بعد ہمیں اللہ تعالیٰ سے لو لگانے میں بھی ایک خاص رنگ پیدا کرنا ہو گا۔ ذکرِ الٰہی میں بھی ایک خاص رنگ پیدا کرنا ہو گا۔ اپنے بھائیوں کے حقوق کی ادائیگی میں بھی ایک خاص رنگ پیدا کرنا ہو گا اور جب یہ ہو گا تو وہ ہماری حقیقی عید ہو گی مسلم ممالک جو ہیں وہ اکٹھے ہو کر اپنا کردار ادا کریں تو فلسطینیوں کو اور جو اور دوسری جگہ مظلوم مسلمان ہیں جہاں بھی ہیں ان کو ظلموں سے بچا سکتے ہیں

فلسطین کے مظلوم مسلمانوں کے لیے، پاکستان اور الجزائر کے احمدیوں کے لیے، ضرورت مندوں کے لیے نیز دنیا سے ظلم کے خاتمے اور کورونا وائرس کی وبا سے نجات کے لیے دعا کی تحریک

أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴﴾ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿۵﴾

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۶﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾

اللہ تعالیٰ کا بے حد فضل اور احسان ہے کہ اس نے ہمیں رمضان کے مہینے سے گزار کر آج عید کا دن دیکھنے کی توفیق عطا فرمائی لیکن کیا یہی اس رمضان کا مقصد تھا؟ کیا یہی اللہ تعالیٰ ہم سے چاہتا تھا کہ ہم انتیس، تیس دن روزے رکھیں اور عید منالیں، خوشیاں منالیں اور کھا پی لیں، کھیل کود کر لیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو تو حقیقت میں ہم اس وقت حاصل کرنے والے ہوں گے جب رمضان کے روزے اور یہ عید ہمیں اس مقصد کو سمجھنے والا بنائے جو اس رمضان اور عید کا مقصد ہے کہ یہ برکات اور پاک تبدیلیاں جو حاصل کی ہیں اور پیدا کی ہیں، اگر واقعہ میں کی ہیں تو پھر تیس روزوں کے بعد یہ باتیں نظر آنے والی ہونی چاہئیں۔ ایک رمضان کے بعد اگلے رمضان کا انتظار جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس میں وہ ان پاک تبدیلیوں پر عمل کرتے ہوئے گزرنا چاہیے تا کہ یہ فیض ہمیشہ جاری رہے۔

اس زمانے میں ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم نے زمانے کے امام کو مانا ہے جنہوں نے ہماری ایسی راہنمائی فرمائی جو ہمیں ہر وقت اس طریق پر چلانے والی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے مقرر فرمائے ہیں۔ اگر ہم اس پر عمل کریں تبھی ہم عبادتوں کے حق بھی ادا کرنے والے ہوں گے، اللہ تعالیٰ کے دوسرے احکامات پر عمل کرنے والے اور ان کا حق ادا کرنے والے ہوں گے۔ دین کی حقیقت اور اللہ تعالیٰ کی تعلیم کو سمجھنے اور اس کا ادراک حاصل کرنے والے ہوں گے اور پھر اس سے فیض پانے والے بھی بنیں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمیں اپنی بعثت کے مقصد کے بارے میں بتاتے ہوئے یہ واضح فرمایا کہ یہ دو مقصد ہیں جن کے لیے میں بھیجا گیا ہوں۔ ایک بندے کو خدا سے ملانے کے لیے اور دوسرے بندوں کو بندوں کے قریب کرنے کے لیے، ان کے حق پہچاننے کے لیے، ان کے کام آنے کے لیے، ان کے جذبات اور احساسات کا خیال رکھنے کے لیے، ان کی تکلیفوں کو دور کرنے کے لیے۔ اور یہ مقصد دو قسم کی ادائیگی سے پورے ہوتے ہیں۔ ایک حقوق اللہ جس کا نام رکھا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنا، بندے کو اللہ سے ملانا اور دوسرے حقوق العباد جس کی تفصیل تھوڑی سی میں نے بیان کی کہ کس طرح حقوق العباد ادا ہوں گے۔ اگر یہ دو حقوق ادا کرنے کی طرف ہماری توجہ ہو جائے تو پھر ہم کامیاب انسان بن سکتے ہیں، حقیقی مومن بن سکتے ہیں اور یہی اسلامی تعلیم کا خلاصہ ہے اور یہی ایک مومن کی نشانی ہے اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقے بھی بیان فرمائے ہیں کہ کس طرح یہ مجاہدہ کر کے انسان یہ مقصد حاصل کرسکتا ہے جن میں سے ایک رمضان کے مہینے کے روزے بھی ہیں اور اس کے بعد پھر عید کی خوشی ہے۔ عید کی خوشی بھی صرف خوشی کے لیے نہیں بلکہ اس میں بھی ایک سبق ہے۔ پس رمضان کا فیض اس صورت میں حاصل ہو گا جب انسان میں پاک تبدیلیاں مستقلاً پیدا ہو جائیں اور عید کی خوشیاں بھی اس وقت حاصل ہوں گی جب یہ تبدیلیاں ہمیشہ کے لیے زندگی کا حصہ بن جائیں گی۔ ایک مسلمان حقیقی مومن اسی وقت بن سکتا ہے جب حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی طرف توجہ رہے۔ جیسا کہ میں نے کہا کہ ہم خوش قسمت ہیں کہ ہم

نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامِ صادق اور اس زمانے کے امام کو مانا ہے اور انہوں نے ہماری راہنمائی فرمائی اس بارے میں کہ کس طرح ایک حقیقی مومن کو ہونا چاہیے۔ آپ کے ارشادات کی روشنی میں اس وقت میں کچھ بیان کروں گا کہ ہم رمضان کے فیض کو جاری رکھنے والے اور حقیقی خوشیاں منانے والے کس طرح بن سکتے ہیں۔ کیا معیار ہیں جو ہمیں حقیقی عید منانے کے لیے حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہم پر کیا حق ہیں اور بندوں کے ایک دوسرے پر کیا حق ہیں۔ اگر یہ حاصل ہو جائے، یہ علم حاصل ہو جائے اور یہ حقوق کی ادائیگی کا حق ادا ہو جائے تو پھر یہی حقیقی عید ہے اور اسی حقیقی عید کے ساتھ یہ دنیا بھی ہمارے لیے جنت بن جاتی ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اس محبت کے معیار کیا ہونے چاہئیں جن کو حاصل کر کے خدا ملتا ہے اس کی وضاحت فرماتے ہوئے ایک جگہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ، سوال اٹھایا آپ نے کہ ''خدا کے ساتھ محبت کرنے سے کیا مراد ہے؟ یہی کہ اپنے والدین، جورو'' یعنی بیوی ''اپنی اولاد اپنے نفس غرض ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی رضاء کو مقدم کر لیا جاوے۔ چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا (البقرۃ:201) یعنی اللہ تعالیٰ کو ایسا یاد کرو کہ جیسا تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ اور سخت درجہ کی محبت کے ساتھ یاد کرو۔ یہ تبھی ہو سکتا ہے جب انسان کو اس بات کا ادراک بھی ہو اور اگر یہ چیز پیدا ہو جائے تو تبھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہماری عید حقیقی عید ہے۔ پس یہ جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ کیا ہم اس کے لیے تیار ہیں یا کیا ہم نے اس کے لیے کوشش کی۔

پھر اس محبت کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں کہ ''...... اصل توحید کو قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت سے پورا حصہ لو۔ اور یہ محبت ثابت نہیں ہو سکتی جب تک عملی حصہ میں کامل نہ ہو۔ نری زبان سے ثابت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی مصری کا نام لیتا رہے۔ ''میٹھا کھانے کا نام لیتا رہے، چینی اور شیرینی کا نام لیتا رہے ''تو کبھی نہیں ہو سکتا کہ وہ شیریں کام ہو جاوے'' یعنی اس کو میٹھے کا مزہ آنے لگ جائے۔ ''یا اگر زبان سے کسی کی دوستی کا اعتراف اور اقرار کرے مگر مصیبت اور وقت پڑنے پر اس کی امداد اور دستگیری سے پہلوتہی کرے تو وہ دوست صادق نہیں ٹھہر سکتا۔ اسی طرح پر اگر خدا تعالیٰ کی توحید کا نرا زبانی ہی اقرار ہو اور اس کے ساتھ محبت کا بھی زبانی ہی اقرار موجود ہو تو کچھ فائدہ نہیں بلکہ یہ حصہ زبانی اقرار کی بجائے عملی حصہ کو زیادہ چاہتا ہے۔'' منہ سے کہنے سے کوئی فائدہ نہیں، عمل سے ثابت کرو کہ اللہ سے محبت ہے۔ فرمایا کہ ''اس سے یہ مطلب بھی نہیں کہ زبانی اقرار کوئی چیز نہیں ہے۔ نہیں۔'' زبانی اقرار سے اظہار بھی ہونا چاہیے۔ ''میری غرض یہ ہے کہ زبانی اقرار کے ساتھ عملی تصدیق لازمی ہے اس لئے ضروری ہے کہ خدا کی راہ میں اپنی زندگی وقف کرو'' یعنی دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا جو عہد کیا ہے اسے ہر وقت سامنے رکھو۔ اور اسی طرح یہ تو ایک عام مومن کے لیے ہے اور جو ایک واقفِ زندگی ہے جو وقف کرنے والے ہیں وہ اپنے وقف کی روح کو سمجھیں اور اس کو ہمیشہ سامنے رکھیں کہ انہوں نے ہر کام اللہ تعالیٰ کی خاطر کرنا ہے۔ فرمایا کہ ''اور یہی اسلام ہے، یہی وہ غرض ہے جس کے لئے مجھے بھیجا گیا ہے۔ پس جو اس وقت اس چشمہ کے نزدیک نہیں آتا جو خدا تعالیٰ نے اس غرض کے لئے جاری کیا ہے وہ یقیناً بے نصیب رہتا ہے۔ اگر کچھ لینا اور مقصد کو حاصل کرنا ہے تو طالب صادق کو چاہئے کہ وہ چشمہ کی طرف بڑھے اور آگے قدم رکھے اور اس چشمۂ جاری کے کنارے اپنا منہ رکھ دے اور یہ ہو نہیں سکتا جب تک خدا تعالیٰ کے سامنے غیریت کا چولہ اتار کر آستانۂ ربوبیت پر نہ گر جاوے اور یہ عہد نہ کر لے کہ خواہ دنیا کی وجاہت جاتی رہے اور مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں تو بھی خدا کو نہیں چھوڑے گا اور خدا تعالیٰ کی راہ میں ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار رہے گا۔ ابراہیم علیہ السلام کا یہی عظیم الشان اخلاص تھا کہ بیٹے کی قربانی کے لئے تیار ہو گیا۔ اسلام کا منشا یہ ہے کہ بہت سے ابراہیم بنائے۔ پس تم میں سے ہر ایک کو کوشش کرنی چاہئے کہ ابراہیم بنو۔'' فرمایا کہ ''میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں'' پھر آپؑ نے فرمایا ''کہ

ولی پرست نہ بنو۔ بلکہ ولی بنو

اور پیر پرست نہ بنو۔ بلکہ پیر بنو''

اپنے تعلق کو اللہ تعالیٰ سے اس حد تک لے جاؤ کہ خود خدا تعالیٰ کے ساتھ تمہارا ذاتی تعلق قائم ہو جائے اور اس کی محبت کا تعلق قائم ہو جائے۔

فرمایا کہ ''تم ان راہوں سے آؤ۔ بے شک وہ تنگ راہیں ہیں۔'' بڑا مشکل کام ہے یہ ''لیکن ان سے داخل ہو کر راحت اور آرام ملتا ہے مگر یہ ضروری ہے کہ اس دروازہ سے بالکل ہلکے ہو کر گزرنا پڑے گا۔'' بہت سارے جو انسان کے تکبر، رعونت اور دوسری برائیاں ہیں ان کو بہر حال جھاڑنا پڑے گا۔ ''اگر بہت بڑی گٹھری سر پر ہو تو مشکل ہے۔ اگر گزرنا چاہتے ہو تو اس گٹھری کو جو دنیا کے تعلقات اور دنیا کو دین پر مقدم کرنے کی گٹھری ہے پھینک دو۔ ہماری جماعت خدا کو خوش کرنا چاہتی ہے تو اس کو چاہئے کہ اس کو پھینک دے۔ تم یقیناً یاد رکھو کہ اگر تم میں وفاداری اور اخلاص نہ ہو تو تم جھوٹے ٹھہرو گے اور خدا تعالیٰ کے حضور راستباز نہیں بن سکتے۔ ایسی صورت میں دشمن سے پہلے وہ ہلاک ہو گا جو وفاداری کو چھوڑ کر غداری کی راہ اختیار کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ فریب نہیں کھا سکتا۔ اور نہ کوئی اسے فریب دے سکتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ تم سچا اخلاص اور صدق پیدا کرو۔''

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 188 تا 190)

پس ہمارا خدا تعالیٰ سے یہ تعلق اور یہ محبت ہی ہمیں ہمارے عہد کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے اس کو صحیح رنگ میں پورا کرنے والا اور اس عہد پر اس پر چلنے والا بنا سکتا ہے۔ اگر یہ محبت نہیں تو ہمارے عہد ہمیں دھوکے میں رکھنے والے ہیں۔ پس ہمیں اپنے جائزے لینے ہوں گے کہ ہمارے اللہ تعالیٰ سے محبت کے معیار کیا ہیں۔ حقیقی محبت الٰہی کے اعلیٰ معیار ہی ہمیں عید کی حقیقی خوشیاں دینے والے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ ہماری توجہ استغفار اور توبہ اور نماز کی طرف بھی رہے۔ اس بارے میں نصیحت کرتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں کہ

استغفار کرتے رہو اور موت کو یاد رکھو۔ موت سے بڑھ کر اور کوئی بیدار کرنے والی چیز نہیں ہے۔ جب انسان سچے دل سے خدا کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرتا ہے۔ جس وقت انسان اللہ تعالیٰ کے حضور سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ پہلے گناہ بخش دیتا ہے۔ پھر بندے کا نیا حساب چلتا ہے۔ اگر انسان کا کوئی ذرا سا بھی گناہ کرے تو وہ ساری عمر اس کا کینہ اور دشمنی رکھتا ہے اور گو زبانی معاف کر دینے کا اقرار بھی کرے لیکن پھر جب اسے موقع ملتا ہے تو اپنے اس کینہ اور عداوت کا اس سے اظہار کر دیتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ ہی ہے کہ جب بندہ سچے دل سے اس کی طرف آتا ہے تو وہ اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور رجوع بہ رحمت ہوتا ہے۔ اپنا فضل اس پر نازل کرتا ہے اور اس کے گناہ کی سزا کو معاف کر دیتا ہے اس لیے تم بھی اب ایسے ہو کر جاؤ۔ آپؑ کے پاس لوگ آئے ہوئے تھے آپؑ نے ان کو فرمایا کہ تم وہ ہو جاؤ جو پہلے نہیں تھے۔ نماز سنوار کر پڑھو۔ تمہارے دلوں میں رقت اور خدا کا خوف ہو۔ پھر فرمایا کہ خدا کا خوف ہر وقت تمہیں رہنا چاہیے۔ ہر ایک کام کرنے سے پہلے سوچ لو اور دیکھ لو کہ اس سے خدا تعالیٰ راضی ہو گا یا ناراض۔ یہ بہت اہم چیز ہے۔ ہر کام کرنے سے پہلے سوچ لو اور دیکھ لو کہ اس کام سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گا یا ناراض۔ فرمایا کہ نماز بڑی ضروری چیز ہے اور مومن کا معراج ہے۔ خدا تعالیٰ سے دعا مانگنے کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔ نماز اس لیے نہیں ہے کہ ٹکریں ماری جاویں یا مرغ کی طرح ٹھونگیں مار لی جائیں۔ جو دانہ کھاتے ہوئے جس طرح مارتا ہے۔ بہت لوگ ایسی ہی نمازیں پڑھتے ہیں اور بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ کسی کے کہنے سننے سے نماز پڑھنے لگ جاتے ہیں۔ کسی نے کہا نماز پڑھ لو تو پڑھ لی۔ دل سے ان کی آواز نہیں نکل رہی ہوتی کہ نماز کی طرف توجہ کریں۔ یہ کچھ نہیں۔ اس کا تو کوئی فائدہ نہیں۔ نماز خدا تعالیٰ کی حضوری ہے اور خدا تعالیٰ کی تعریف کرنے اور اس سے اپنے گناہوں کے معاف کرانے کی مرکب صورت کا نام نماز ہے۔ خدا تعالیٰ کی تعریف کرنا، حمد کرنا اور اپنے گناہوں کی معافی اس سے مانگنا یہ دونوں باتیں جب اکٹھی ہوتی ہیں تو اس کا نام نماز ہے۔ اس کی نماز ہرگز نہیں ہوتی جو اس غرض اور مقصد کو مدّنظر رکھ کر نماز نہیں پڑھتا۔ پس یہ دو مقصد سامنے ہوں تو تبھی حقیقی نماز ہے۔ پس نماز بہت ہی اچھی طرح پڑھو۔ کھڑے ہو تو ایسے طریق سے کہ تمہاری صورت صاف بتا دے کہ تم خدا تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں دست بستہ کھڑے ہو اور جھکو تو ایسے جس سے صاف معلوم ہو کہ تمہارا دل جھکتا ہے اور سجدہ کرو تو اس آدمی کی طرح جس کا دل ڈرتا ہے اور نمازوں میں اپنے دین اور دنیا کے لیے دعا کرو۔

(ماخوذ از ملفوظات جلد سوم صفحہ 247-248)

پس ایسی نمازیں اگر ہمیں حاصل ہو جائیں تو وہ دن ہماری حقیقی عید کے دن ہوں گے۔ اپنے جائزے کی ضرورت ہے۔ کیا ہم یہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تا کہ حقیقی عید منا سکیں یا کیا اس رمضان میں ہم نے یہ عہد کیا ہے کہ آئندہ اس طرح عمل کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کر کے اپنے لیے عید کا سامان کریں گے۔ عبادت کے کیا معیار ہونے چاہئیں۔ اس بارے میں بھی آپ نے ہماری راہنمائی فرمائی۔ فرمایا کچھ تو ہم پہلے دیکھ آئے ہیں مزید آپؑ نے یہ فرمایا کہ

''مسلمان وہ ہے جو اپنے تمام وجود کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے وقف کر دے اور سپرد کر دے اور اعتقادی اور عملی طور پر اس کا مقصود اور غرض اللہ تعالیٰ ہی کی رضا اور خوشنودی ہو اور تمام نیکیاں اور اعمال حسنہ جو اس سے صادر ہوں وہ بمشقت اور مشکل کی راہ سے نہ ہوں بلکہ ان میں ایک لذت اور حلاوت کی کشش ہو۔'' خوشی سے عبادت ہو نیکیاں ہوں ''جو ہر قسم کی تکلیف کو راحت میں تبدیل کر دے۔''

فرمایا کہ ''حقیقی مسلمان اللہ تعالیٰ سے ہی پیار کرتا ہے۔ یہ کہہ کر اور مان کر کہ وہ میرا محبوب و مولیٰ ہے پیدا کرنے والا اور محسن ہے اس لئے اس کے آستانہ پر سر رکھ دیتا ہے۔ سچے مسلمان کو اگر کہا جاوے کہ ان اعمال کی پاداش میں کچھ بھی نہیں ملے گا اور نہ بہشت اور نہ دوزخ ہے اور نہ آرام ہیں نہ لذات ہیں تو وہ اپنے اعمال صالحہ اور محبت الٰہی کو ہر گز ہر گز چھوڑ نہیں سکتا۔'' یہ سچے مومن کی نشانی ہے ''کیونکہ اس کی عبادت اور خدا تعالیٰ سے تعلق اور اس کی فرمانبرداری اور اطاعت میں فنا کسی پاداش یا اجر کی بناء اور امید پر نہیں ہے بلکہ وہ اپنے وجود کو ایسی چیز سمجھتا ہے کہ وہ حقیقت میں خدا تعالیٰ ہی کی شناخت، اس کی محبت اور اطاعت کے لئے بنائی گئی ہے۔'' وہ اپنے وجود کو ایسی چیز سمجھتا ہے کہ اس کا وجود حقیقت میں خدا تعالیٰ کی شناخت اور اس کی محبت اور اطاعت کے لیے بنایا گیا وجود ہے۔ ''اور کوئی غرض اور مقصد اس کا ہے ہی نہیں۔ اسی لئے وہ اپنی خداداد قوتوں کو جب ان اغراض اور مقاصد میں صرف کرتا ہے تو اس کو اپنے محبوب حقیقی ہی کا چہرہ نظر آتا ہے۔ بہشت و دوزخ پر اس کی اصلاً نظر نہیں ہوتی۔ میں کہتا ہوں کہ'' اپنی مثال دیتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں کہ ''اگر مجھے اس امر کا یقین دلا دیا جاوے کہ خدا تعالیٰ سے محبت کرنے اور اس کی اطاعت میں سخت سے سخت سزا دی جائے گی تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میری فطرت ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ ان تکلیفوں اور بلاؤں کو ایک لذت اور محبت کے جوش اور شوق سے برداشت کرنے کو تیار ہے اور باوجود ایسے یقین کے جو عذاب اور دکھ کی صورت میں دلایا جاوے کبھی خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری سے ایک قدم باہر نکلنے کو ہزار بلکہ لاانتہا موت سے بڑھ کر اور دکھوں اور مصائب کا مجموعہ قرار دیتی ہے۔ جیسے اگر کوئی بادشاہ عام اعلان کرائے کہ اگر کوئی ماں اپنے بچے کو دودھ نہ دے گی تو بادشاہ اس سے خوش ہو کر انعام دے گا تو ایک ماں کبھی گوارا نہیں کر سکتی کہ وہ اس انعام کی خواہش اور لالچ میں اپنے بچے کو ہلاک کرے۔ اسی طرح ایک سچا مسلمان خدا کے حکم سے باہر ہونا اپنے لئے ہلاکت کا موجب سمجھتا ہے خواہ اس کو اس نافرمانی میں کتنی ہی آسائش اور آرام کا وعدہ دیا جاوے۔ پس حقیقی مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس قسم کی فطرت حاصل کی جاوے کہ خدا تعالیٰ کی محبت اور اطاعت کسی جزا اور سزا کے خوف اور امید کی بناء پر نہ ہو بلکہ فطرت کا طبعی خاصہ اور جزو ہو کر ہو۔ پھر وہ محبت بجائے خود اس کے لئے ایک بہشت پیدا کر دیتی ہے اور حقیقی بہشت یہی ہے۔ کوئی آدمی بہشت میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اس راہ کو اختیار نہیں کرتا۔ اس لئے میں تم کو جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو اسی راہ سے داخل ہونے کی تعلیم دیتا ہوں کیونکہ بہشت کی حقیقی راہ یہی ہے۔''

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 182-183)

پس یہ بہشت ہی حقیقی عید کی خوشی ہے جو ہم نے حاصل کرنی ہے، ہمیں حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ کیا ہم اس طرح کی عید کی خوشی منانے کے لیے تیار ہیں؟ اس بہشت کو حاصل کرنے کے لیے کوشش کر رہے ہیں؟

پھر توحید کے اقرار کے بارے میں آپؑ فرماتے ہیں کہ ''خدا تعالیٰ کا قانون قدرت یہی ہے کہ اس کے قائم کردہ سلسلہ میں تدریجی ترقی ہوا کرتی ہے اس لئے ہماری جماعت کی ترقی بھی تدریجی اور کَزَرْعٍ (کھیتی کی طرح) ہو گی'' جس طرح کھیتی اُگتی اور بڑھتی ہے اس طرح ہے۔ ''اور وہ مقاصد اور مطالب اس بیج کی طرح ہیں جو زمین میں بویا جاتا ہے۔ وہ مراتب اور مقاصد عالیہ جن پر اللہ تعالیٰ اس کو پہنچانا چاہتا ہے۔ ابھی بہت دور ہیں۔'' جماعت کو جہاں اللہ تعالیٰ پہنچانا چاہتا ہے وہ مقاصد بہت دور ہیں۔ ''وہ حاصل نہیں ہو سکتے ہیں جب تک وہ خصوصیت پیدا نہ ہو جو اس سلسلہ کے قیام سے خدا کا منشاء ہے۔ توحید کے اقرار میں بھی خاص رنگ ہو۔ تبتل الی اللہ ایک خاص رنگ کا ہو۔ ذکرِ الٰہی میں خاص رنگ ہو۔ حقوقِ اخوان میں خاص رنگ ہو۔''

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 95)

پس بیعت کے بعد ہمیں اللہ تعالیٰ سے لَو لگانے میں بھی ایک خاص رنگ پیدا کرنا ہو گا۔ ذکرِ الٰہی میں بھی ایک خاص رنگ پیدا کرنا ہو گا۔ اپنے بھائیوں کے حقوق کی ادائیگی میں بھی ایک خاص رنگ پیدا کرنا ہو گا اور جب یہ ہو گا تو وہ ہماری حقیقی عید ہو گی۔ جائزے کی ضرورت ہے۔ کیا ہم اس کے لیے کوشش کر رہے ہیں یا کہیں ہم ضائع ہو جانے والا بیج تو نہیں۔

پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ ''خوب یاد رکھو کہ انسان کو شرف اور سعادت تب ملتی ہے جب وہ ذاتی طور پر کسی کا دشمن نہ ہو۔ ہاں اللہ اور اس کے رسول کی عزت کے لئے الگ امر ہے۔ یعنی جو شخص خدا اور اس کے رسول کی عزت نہیں کرتا بلکہ ان کا دشمن ہے اسے تم اپنا دشمن سمجھو۔'' لیکن یہ یاد رکھو ''اس دشمنی سمجھنے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ تم اس پر افترا کرو'' بلاوجہ اس پر الزام لگاؤ ''اور بلاوجہ اس کو دکھ دینے کے منصوبے کرو۔ نہیں۔ بلکہ اس سے الگ ہو جاؤ اور خدا تعالیٰ کے سپرد کرو'' معاملہ۔ جو ایسی دشمنی کا اظہار کرتا ہے اس سے الگ ہو جاؤ اور معاملہ خدا کے سپرد کر دو۔ ''ممکن ہو تو اس کی اصلاح کے لئے دعا کرو۔'' یہ نہیں کہ دشمن کے لیے دعا نہیں کرنی اس کی اصلاح کے لیے دعا بھی کرو۔ ''اپنی طرف سے کوئی نئی بھاجی اس کے ساتھ شروع نہ کرو۔'' (ملفوظات جلد 8 صفحہ 104-105) یعنی نیا جھگڑا یا نئے مسئلے نہ پیدا کرنے شروع کر دو اس وجہ سے کہ اس نے دشمنی کا اظہار کیا ہے۔

پس اگر غیرت دکھانی ہے تو ہمیں خدا تعالیٰ کے لیے غیرت دکھانے کی ضرورت ہے، اس کے رسول کے لیے غیرت دکھانے کی ضرورت ہے لیکن اس میں بھی آپؑ نے فرمایا کہ اخلاق اور حدود کو سامنے رکھنا ہو گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ایک حقیقی مومن کے لیے قائم فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق اس کی بندگی کا حق ادا کرنے کی کوشش کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پڑھنا، سمجھنا اور عمل کرنا بھی ایک حقیقی مومن بناتا ہے۔ قرآن کریم ہی ہے جو ہماری اللہ تعالیٰ کے احکامات کے بارے میں یا ان کی طرف صحیح راہنمائی کرتا ہے۔ پس ایمان اور یقین میں ترقی کے لیے عبادتوں کے ساتھ قرآن کریم کو پڑھنا، سمجھنا اور اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ''قرآن شریف کو پڑھو اور خدا سے کبھی ناامید نہ ہو۔ مومن خدا سے کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ یہ کافروں کی عادت میں داخل ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ ہمارا خدا عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ (البقرۃ:21) خدا ہے۔ قرآن شریف کا ترجمہ بھی پڑھو'' تاکہ اس کے احکامات سمجھ آئیں ''اور نمازوں کو سنوار سنوار کر پڑھو اور اس کا مطلب بھی سمجھو۔ اپنی زبان میں بھی دعائیں کر لو۔ قرآن شریف کو ایک معمولی کتاب سمجھ کر نہ پڑھو بلکہ اس کو خدا تعالیٰ کا کلام سمجھ کر پڑھو۔ نماز کو اسی طرح پڑھو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے البتہ اپنی حاجتوں اور مطالب کو مسنون اذکار کے بعد اپنی زبان میں بے شک ادا کرو اور خدا تعالیٰ سے مانگو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اس سے نماز ہر گز ضائع نہیں ہوتی۔ آج کل لوگوں نے نماز کو خراب کر رکھا ہے۔ نمازیں کیا پڑھتے ہیں ٹکریں مارتے ہیں۔ نماز تو بہت جلد جلد مرغ کی طرح ٹھونگیں مار کر پڑھ لیتے ہیں اور پیچھے دعا کے لئے بیٹھے رہتے ہیں۔ نماز کا اصل مغز اور روح تو دعا ہی ہے۔ نماز سے نکل کر دعا کرنے سے وہ اصل مطلب کہاں حاصل ہو سکتا ہے۔ ایک شخص بادشاہ کے دربار میں جاوے اور اس کو اپنا عرض حال کرنے کا موقع بھی ہو لیکن وہ اس وقت تو کچھ نہ کہے لیکن جب دربار سے باہر جاوے تو اپنی درخواست پیش کرے اسے کیا فائدہ؟ ایسا ہی حال ان لوگوں کا ہے جو نماز میں خشوع خضوع کے ساتھ دعائیں نہیں مانگتے۔ تم کو جو دعائیں کرنی ہوں نماز میں کر لیا کرو اور پورے آداب الدّعا کو ملحوظ رکھو۔''

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 257-258)

پس ایسی نمازیں اور قرآن کریم پر غور ہماری حقیقی عید اور مستقل عید بنائے گا۔ کیا ہم نے اس رمضان میں اس عید کو حاصل کرنے کا عہد کیا ہے؟ اگر نہیں تو آج ہمیں عہد کرنا چاہیے کہ ہم نے اپنی نمازوں کو سنوار کر پڑھنے اور قرآن کریم کو پڑھنے اور غور کرنے کے لیے اپنی عید کی خوشیوں کو دائمی کرنا ہے اور یہی اس کی ایک صورت ہے۔

قرآن کریم کو پڑھنے اور اسے حدیثوں پر مقدم سمجھنے کے بارے میں نصیحت فرماتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ''اے میری عزیز جماعت! یقیناً سمجھو کہ زمانہ اپنے آخر کو پہنچ گیا ہے اور ایک صریح انقلاب نمودار ہو گیا ہے۔ سو اپنی جانوں کو دھوکا مت دو اور بہت جلد راستبازی میں کامل ہو جاؤ۔ قرآنِ کریم کو اپنا پیشوا پکڑو اور ہر ایک بات میں اس سے روشنی حاصل کرو۔ اور حدیثوں کو بھی ردّی کی طرح مت پھینکو کہ وہ بڑی کام کی ہیں'' ساری حدیثیں ردّ کرنے والی نہیں ہیں ''اور بڑی محنت سے ان کا ذخیرہ طیار ہوا ہے لیکن جب قرآن کے قصوں سے حدیث کا کوئی قصّہ مخالف ہو تو ایسی حدیث کو چھوڑ دو تا گمراہی میں نہ پڑو۔ قرآنِ شریف کو بڑی حفاظت سے خدا تعالیٰ نے تمہارے تک پہنچایا ہے سو تم اس پاک کلام کا قدر کرو اور اس پر کسی چیز کو مقدم نہ سمجھو کہ تمام راست روی اور راست بازی اسی پر موقوف ہے۔ کسی شخص کی باتیں لوگوں کے دلوں میں اسی حد تک مؤثر ہوتی ہیں جس حد تک اس شخص کی معرفت اور تقویٰ پر لوگوں کو یقین ہوتا ہے۔''

(تذکرۃ الشہادتین، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 64)

پھر قرآن کریم کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے مزید فرماتے ہیں کہ ’’اگر ہمارے پاس قرآن نہ ہوتا اور حدیثوں کے یہ مجموعے ہی مایہ ناز ایمان واعتقاد ہوتے‘‘ انہی پر ہمارا انحصار ہوتا ’’تو ہم قوموں کو شرمساری سے منہ بھی نہ دکھا سکتے۔ مَیں نے قرآن کے لفظ میں غور کی تب مجھ پر کھلا کہ اس مبارک لفظ میں ایک زبردست پیش گوئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہی قرآن یعنی پڑھنے کے لائق کتاب ہے اور ایک زمانہ میں تو اَور بھی زیادہ پڑھنے کے یہی قابل کتاب ہوگی جبکہ اَور کتابیں بھی پڑھنے میں اس کے ساتھ شریک کی جائیں گی۔ اس وقت اسلام کی عزت بچانے کے لئے اور بطلان کا استیصال کرنے کے لئے یہی ایک کتاب پڑھنے کے قابل ہوگی اور دیگر کتابیں قطعاً چھوڑ دینے کے لائق ہوں گی۔ فرقان کے بھی یہی معنی ہیں۔یعنی یہی ایک کتاب حق و باطل میں فرق کرنے والی ٹھہرے گی اور کوئی حدیث کی یا اور کوئی کتاب اس حیثیت اور پایہ کی نہ ہوگی۔ اس لئے اب سب کتابیں چھوڑ دو اور رات دن کتاب اللہ ہی کو پڑھو۔ بڑا بے ایمان ہے وہ شخص جو قرآن کریم کی طرف التفات نہ کرے اور دوسری کتابوں پر ہی رات دن جھکا رہے۔ ہماری جماعت کو چاہئے کہ قرآن کریم کے شغل اور تدبر میں جان و دل سے مصروف ہو جائیں اور حدیثوں کے شغل کو ترک کریں۔ بڑے تاسّف کا مقام ہے کہ قرآن کریم کا وہ اعتنا اور تدارس نہیں کیا جاتا جو احادیث کا کیا جاتا ہے۔‘‘اس کے درسوں کی طرف زیادہ توجہ ہوتی ہے۔ ’’اس وقت قرآن کریم کا حربہ ہاتھ میں لو تو تمہاری فتح ہے۔ اس نور کے آگے کوئی ظلمت ٹھہر نہ سکے گی۔‘‘

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 122)

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک موقع پر فرمایا کہ جس کو قرآن کا کچھ بھی حصہ یاد نہیں وہ ویران گھر کی طرح ہے۔

(سنن الترمذی ابواب فضائل القرآن باب ان الذی لیس فی جوفه حدیث ۲۹۱۳)

نیز آپؐ نے فرمایا کہ قرآن کریم کو جلدی جلدی نہ پڑھو بلکہ سمجھ کر پڑھو۔

(سنن الترمذی ابواب القراءات باب فی کم اقرأ القرآن حدیث ۲۹۴۹)

پس اس رمضان میں جو قرآن کریم پڑھنے کی طرف توجہ پیدا ہوئی ہے۔بعض نے شاید کچھ حصہ یاد کرنے کی بھی کوشش کی ہو، پس اسے یاد رکھنا، اسے دہرانا بھی چاہیے تا کہ یادداشت میں قائم رہے اور پھر یہ کہ قرآن کریم کی تعلیم پر غور کرنے کی کوشش بھی کرنی چاہیے۔ اس کے احکامات پر غور کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے غلامِ صادق نے جس طرح فرمایا ہے اس پر تدبر کرو۔ اور جب ہم یاد کرنے اور تدبر کرنے اور قرآن کریم کو زیادہ سے زیادہ پڑھنے کی طرف توجہ دیں گے تبھی ہم اس کا حق ادا کر سکتے ہیں اور تبھی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس رمضان نے ہمارے اندر جو پاک تبدیلیاں پیدا کی ہیں جس کی وجہ سے ہمیں قرآن کریم پڑھنے اور سمجھنے کی طرف توجہ ہوئی یہی اصل میں ہماری عید ہے۔ اور اس عید کو آج ہم نے خوشیاں منا کر ختم نہیں کر لینا بلکہ ہمیشہ کے لیے اور ہر روز اللہ تعالیٰ کی کتاب کو سمجھ کر پڑھنے سے حظ اٹھانا ہے۔ اور صرف حظ ہی نہیں اٹھانا بلکہ اس لیے پڑھنا ہے تا کہ اس کی تعلیم کو سمجھ کر روحانی ترقی ہو اور ہمارا ہر دن عید کی خوشیاں لانے والا دن ہو۔عبادت اور قرآن کریم کو پڑھنے سمجھنے کا روزمرہ کی زندگی میں عملی اظہار اس وقت ہوتا ہے جب انسان حقوق العباد کی ادائیگی بھی کرے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں حقوق العباد کی طرف بھی بہت توجہ دلائی ہے۔

اس بارے میں نصیحت فرماتے ہوئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ’’خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰىہَا۔وَ قَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىہَا (الشمس:11-10) جس کا مطلب یہ ہے کہ نجات پا گیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا اور خائب اور خاسر ہو گیا وہ شخص جو اس سے محروم رہا۔ اس لئے اب تم لوگوں کو سمجھنا چاہئے کہ تزکیہ نفس کس کو کہا جاتا ہے۔سو یاد رکھو کہ ایک مسلمان کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورا کرنے کے واسطے ہمہ تن تیار رہنا چاہئے اور جیسے زبان سے خدا تعالیٰ کو اس کی ذات اور صفات میں واحد لا شریک سمجھتا ہے ایسے ہی عملی طور پر اس کو دکھانا چاہئے اور اس کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی اور ملائمت سے پیش آنا چاہئے اور اپنے بھائیوں سے کسی قسم کا بھی بغض، حسد اور کینہ نہیں رکھنا چاہئے اور دوسروں کی غیبت کرنے سے بالکل الگ ہو جانا چاہئے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں۔‘‘ آپؑ فرماتے ہیں ’’کہ یہ معاملہ تو ابھی دور ہے کہ تم لوگ خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسے از خود رفتہ اور محو ہو جاؤ کہ بس اسی کے ہو جاؤ اور جیسے زبان سے اس کا اقرار کرتے ہو عمل سے بھی کر کے دکھاؤ۔ ابھی تو تم لوگ مخلوق کے حقوق کو بھی کما حقہ ادا نہیں کرتے۔ بہت سے ایسے ہیں جو آپس میں فساد اور دشمنی رکھتے ہیں اور اپنے سے کمزور اور غریب شخصوں کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں اور بدسلوکی سے پیش آتے ہیں اور ایک دوسرے کی غیبتیں کرتے‘‘ ہیں حالانکہ غیبت بہت بڑا گناہ ہے۔ ’’اور اپنے دلوں میں بغض اور کینہ رکھتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم آپس میں ایک وجود کی طرح بن جاؤ اور جب تم ایک وجود کی طرح ہو جاؤ گے اس وقت کہہ سکیں گے کہ اب تم نے اپنے نفسوں کا تزکیہ کر لیا کیونکہ جب تک تمہارا آپس میں معاملہ صاف نہیں ہوگا اس وقت تک خدا تعالیٰ سے بھی معاملہ صاف نہیں ہو سکتا۔ گو ان دونوں قسم کے حقوق میں بڑا حق خدا تعالیٰ کا ہے مگر اس کی مخلوق کے ساتھ معاملہ کرنا یہ بطور آئینہ کے ہے۔ جو شخص اپنے بھائیوں سے صاف صاف معاملہ نہیں کرتا وہ خدا تعالیٰ کے حقوق بھی ادا نہیں کر سکتا۔‘‘

(ملفوظات جلد دہم فحہ 72-73)

پس جب ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس خواہش کے مطابق اپنے آپ کو بنا لیں گے تو یہی ہمارے لیے حقیقی خوشی اور عید کا دن ہے اور اس کے لیے ہمیں اپنا جائزہ لینا ہو گا کہ کیا ہم اپنے بھائیوں کے حقوق ادا کر رہے ہیں یا یہ عہد کرتے ہیں کہ آئندہ ان شاء اللہ ادا کرنے کی کوشش کریں گے۔

پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ ’’سورۃ فاتحہ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے پیش کی ہے۔ اور اس میں سب سے پہلی صفت رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ بیان کی ہے۔جس میں تمام مخلوقات شامل ہے اسی طرح پر ایک مومن کی ہمدردی کا میدان سب سے پہلے اتنا وسیع ہونا چاہئے کہ تمام چرند پرند اور کُل مخلوق اس میں آجاوے۔ پھر دوسری صفت رحمٰن کی بیان کی ہے جس سے یہ سبق ملتا ہے کہ تمام جاندار مخلوق سے ہمدردی خصوصاً کرنی چاہئے۔ اور پھر رحیم میں اپنی نوع سے ہمدردی کا سبق ہے۔غرض اس سورۃ فاتحہ میں جو اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کی گئی ہیں یہ گویا خدا تعالیٰ کے اخلاق ہیں جن سے بندہ کو حصہ لینا چاہئے اور وہ یہی ہے کہ اگر ایک شخص عمدہ حالت میں ہے تو اس کو اپنی نوع کے ساتھ ہر قسم کی ممکن ہمدردی سے پیش آنا چاہئے۔‘‘ دوسرے انسان کے ساتھ ہر قسم کی ممکن ہمدردی سے پیش آنا چاہیے۔ ’’اگر دوسرا شخص جو اس کا رشتہ دار ہے یا عزیز ہے خواہ کوئی ہے۔‘‘ ضروری نہیں کہ رشتہ دار یا عزیز ہو۔کوئی بھی ہو ’’اس سے بیزاری نہ ظاہر کی جاوے اور اجنبی کی طرح اس سے پیش نہ آئیں بلکہ ان حقوق کی پروا کریں جو اس کے تم پر ہیں۔ اس کو ایک شخص کے ساتھ قرابت ہے اور اس کا کوئی حق ہے تو اس کو پورا کرنا چاہئے۔‘‘

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 345)

پس نماز میں جتنی مرتبہ ہم سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں ہر مرتبہ اور مضامین کے ساتھ حقوق العباد کی طرف ہماری نظر جانی چاہیے۔ تبھی ہم اللہ تعالیٰ کے حق کے ساتھ حقوق العباد کی طرف متوجہ رہ سکتے ہیں اور تبھی ہماری عید حقیقی عید ہو سکتی ہے۔

پھر اس بات کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے کہ عبادت اور قرآن کے پڑھنے اور سمجھنے کے ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی مومن کے لیے ایک اہم فرض ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں ’’حقوق عباد بھی دو قسم کے ہیں ایک وہ جو دینی بھائی ہو گئے ہیں خواہ وہ بھائی ہے یا باپ ہے یا بیٹا مگر ان سب میں ایک دینی اخوت ہے اور ایک عام بنی نوع انسان سے سچی ہمدردی ہے۔‘‘ فرمایا ’’...... بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی میں میرا یہ مذہب ہے کہ جب تک دشمن کے لئے دعا نہ کی جاوے پورے طور پر سینہ صاف نہیں ہوتا۔ اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ (المومن:61) میں اللہ تعالیٰ نے کوئی قید نہیں لگائی کہ دشمن کے لئے دعا کرو تو قبول نہیں کروں گا بلکہ میرا تو یہ مذہب ہے کہ دشمن کے لئے دعا کرنا یہ بھی سنت نبوی ہے۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی سے مسلمان ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لئے اکثر دعا کیا کرتے تھے۔ اس لئے بخل کے ساتھ ذاتی دشمنی نہیں کرنی چاہئے اور حقیقتاً موذی نہیں ہونا چاہئے۔ شکر کی بات ہے کہ ہمیں اپنا کوئی دشمن نظر نہیں آتا جس کے واسطے دو تین مرتبہ دعا نہ کی ہو۔ ایک بھی ایسا نہیں اور یہی میں تمہیں کہتا ہوں اور سکھاتا ہوں۔‘‘ کہ دشمن کے لیے دعا ضرور کرو۔ ’’خدا تعالیٰ اس سے کہ کسی کو حقیقی طور پر ایذا پہنچائی جاوے اور ناحق بخل کی راہ سے دشمنی کی جاوے ایسا ہی بیزار ہے۔‘‘ کسی کو حقیقی ایذا پہنچانا نقصان پہنچانا اور دعا میں بھی بخل سے کام لینا یا دشمنی کرنا اللہ تعالیٰ اس سے بہت بیزار ہے اور ایسا ہی بیزار ہے ’’جیسے وہ نہیں چاہتا کہ کوئی اس کے ساتھ ملایا جاوے۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ کو اس بات سے اسی طرح نفرت ہے جس طرح شرک سے نفرت ہے۔ ’’ایک جگہ وہ فصل نہیں چاہتا اور ایک جگہ وصل نہیں چاہتا یعنی بنی نوع کا باہمی فصل اور اپنا کسی غیر کے ساتھ وصل۔‘‘انسان انسان سے علیحدہ ہو یہ نہیں چاہتا اور اپنے ساتھ کسی غیر کو ملانا نہیں چاہتا یعنی شرک نہ ہو۔ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں ’’اور یہ وہی راہ ہے کہ منکروں کے واسطے بھی دعا کی جاوے اس سے سینہ صاف اور انشراح پیدا ہوتا ہے اور ہمت بلند ہوتی ہے اس لئے جب تک ہماری جماعت یہ رنگ اختیار نہیں کرتی اس میں اور اس کے غیر میں پھر کوئی امتیاز نہیں ہے۔ میرے نزدیک یہ ضروری امر ہے کہ جو شخص ایک کے

ساتھ دین کی راہ سے دوستی کرتا ہے اور اس کے عزیزوں سے کوئی ادنیٰ درجہ کا ہے تو اس کے ساتھ نہایت رفق اور ملائمت سے پیش آنا چاہیے اور ان سے محبت کرنی چاہیے۔کیونکہ خدا کی یہ شان ہے

''بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم''

کہ وہ کریم خدا بروں کو بھی نیکوں کے ساتھ بخش دیتا ہے۔''پس تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو تمہیں چاہئے کہ تم ایسی قوم بنو جس کی نسبت آیا ہے۔ فَاِنَّھُمْ قَوْمٌ لَا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ۔یعنی وہ ایسی قوم ہے کہ جن کا ہم جلیس بد بخت نہیں ہوتا۔ یہ خلاصہ ہے ایسی تعلیم کا جو تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ میں پیش کی گئی ہے۔''

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 96-97)

ہمارے آپس کے تعلقات اور ایک دوسرے کے لیے دعائیں کرنے کے یہ معیار ہوں گے تو تبھی ہمارے لیے حقیقی خوشی کا وقت ہو گا۔ پھر حقوق العباد کے معیار کا ذکر فرماتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں کہ ''اصل بات یہ ہے کہ سب سے مشکل اور نازک مرحلہ حقوق العباد ہی کا ہے کیونکہ ہر وقت اس کا معاملہ پڑتا ہے اور ہر آن یہ ابتلا سامنے رہتا ہے۔ پس اس مرحلہ پر بہت ہی ہوشیاری سے قدم اٹھانا چاہیے۔ میرا تو یہ مذہب ہے کہ دشمن کے ساتھ بھی حد سے زیادہ سختی نہ ہو۔بعض لوگ چاہتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے اس کی تخریب اور بربادی کے لیے سعی کی جاوے۔ پھر وہ اس فکر میں پڑ کر جائز اور ناجائز امور کی بھی پروا نہیں کرتے۔ اس کو بدنام کرنے کے واسطے جھوٹی تہمت اس پر لگاتے، افترا کرتے اور اس کی غیبت کرتے اور دوسروں کو اس کے خلاف اکساتے ہیں۔ اب بتاؤ کہ معمولی دشمنی سے کس قدر برائیوں اور بدیوں کا وارث بنا اور پھر یہ بدیاں جب اپنے بچے دیں گی تو کہاں تک نوبت پہنچے گی۔''

(ملفوظات جلد ہشتم صفحہ 104)

اور جب ایسی صورت ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہوتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہو تو عید کی حقیقی خوشی کس طرح مل سکتی ہے۔ پس بڑے خوف کے ساتھ اپنے جائزے لینے کی ضرورت ہے۔

پھر آپؑ فرماتے ہیں ''ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ بعض بندوں سے فرمائے گا کہ تم بڑے برگزیدہ ہو اور میں تم سے بہت خوش ہوں کیونکہ میں بہت بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کھلایا۔ میں ننگا تھا تم نے کپڑا دیا۔ میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا۔ میں بیمار تھا تم نے میری عیادت کی۔ وہ کہیں گے کہ یا اللہ تُو تو ان باتوں سے پاک ہے۔تُو کب ایسا تھا جو ہم نے تیرے ساتھ ایسا کیا؟ تب وہ فرمائے گا کہ میرے فلاں فلاں بندے ایسے تھے تم نے ان کی خبر گیری کی وہ ایسا معاملہ تھا کہ گویا تم نے میرے ساتھ ہی کیا۔ پھر ایک اَور گروہ پیش ہو گا۔ ان سے کہے گا تم نے میرے ساتھ برا معاملہ کیا۔ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ دیا۔ پیاسا تھا پانی نہ دیا۔ ننگا تھا مجھے کپڑا نہ دیا۔ میں بیمار تھا میری عیادت نہ کی۔تب وہ کہیں گے کہ یا اللہ تعالیٰ تُو تو ایسی باتوں سے پاک ہے۔ تُو کب ایسا تھا جو ہم نے تیرے ساتھ ایسا کیا۔ اس پر فرمائے گا کہ میرا فلاں فلاں بندہ اس حالت میں تھا اور تم نے ان کے ساتھ کوئی ہمدردی اور سلوک نہ کیا وہ گویا میرے ساتھ ہی کرنا تھا۔

غرض نوع انسان پر شفقت اور اس سے ہمدردی کرنا بہت بڑی عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے یہ ایک زبردست ذریعہ ہے۔''فرماتے ہیں کہ ''...... جو لوگ غرباء کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش نہیں آتے بلکہ ان کو حقیر سمجھتے ہیں مجھے ڈر ہے کہ وہ خود اس مصیبت میں مبتلا نہ ہو جاویں۔ اللہ تعالیٰ نے جن پر فضل کیا ہے اس کی شکرگزاری یہی ہے کہ اس کی مخلوق کے ساتھ احسان اور سلوک کریں اور اس خداداد فضل پر تکبر نہ کریں اور وحشیوں کی طرح غرباء کو کچل نہ ڈالیں۔''

(ملفوظات جلد ہشتم صفحہ 102-103)

پس غریبوں کی ضرورت مندوں کی مدد ہی اللہ تعالیٰ کے فضل اور پیار کو جذب کرنے والی ہونی چاہیے اور ہو گی اور جب یہ ہو گا تو حقیقی عید کا دن ہو گا۔ انفرادی طور پر بھی جماعت میں لوگ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں لیکن جماعتی طور پر بھی فنڈز قائم ہیں وہاں بھی جو صاحب حیثیت لوگ ہیں ان کو کچھ نہ کچھ ادائیگی کرنی چاہیے۔ مریضوں کی امداد کا فنڈ ہے۔یتیموں کا فنڈ ہے۔غرباء کا فنڈ ہے۔غریب طلبہ کی مدد کا فنڈ ہے اور اس طرح بہت سارے ہیں جہاں مدد کی جاتی ہے۔ اس طرف بھی جماعت کے افراد کو صاحبِ حیثیت افراد کو توجہ دینی چاہیے۔

پھر آپؑ فرماتے ہیں ''پس خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ جب تک تم ایک وجود کی طرح بھائی بھائی نہ بن جاؤ گے اور آپس میں بمنزلہ اعضاء نہ ہو جاؤ گے تو فلاح نہ پاؤ گے۔ انسان کا جب بھائیوں سے معاملہ صاف نہیں تو خدا سے بھی نہیں۔ بے شک خدا تعالیٰ کا حق بڑا ہے مگر اس بات کو پہچاننے کا آئینہ کہ خدا کا حق ادا کیا جا رہا ہے یہ ہے کہ مخلوق کا حق بھی ادا کر رہا ہے یا نہیں۔ جو شخص اپنے بھائیوں سے معاملہ صاف نہیں رکھ سکتا وہ خدا سے بھی صاف نہیں رکھتا۔ یہ بات سہل نہیں یہ مشکل ہے۔ سچی محبت اور چیز ہے اور منافقانہ اور۔ دیکھو مومن کے مومن پر بڑے حقوق ہیں۔ جب وہ بیمار پڑے تو عیادت کو جائے اور جب مرے تو اس کے جنازہ پر جائے۔ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر جھگڑا نہ کرے بلکہ درگزر سے کام لے۔ خدا کا یہ منشاء نہیں کہ تم ایسے رہو۔ اگر سچی اخوت نہیں تو جماعت تباہ ہو جائے گی۔''

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 73-74 حاشیہ)

پس یہ سچی اخوت ہی ہماری دائمی خوشیوں کا باعث بن سکتی ہے اور ہمیں جماعت کا حصہ بنانے کے قابل بنا سکتی ہے۔ اس کے حصول کے لیے ہمیں اپنے جائزے لینے چاہئیں۔

پھر گھروں میں ایک مومن کو اپنا کیسا سلوک رکھنا چاہیے، عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کا کیا معیار ہونا چاہیے اس بارے میں بھی آپؑ نے فرمایا۔فرمایا کہ ''فحشاء کے سوا باقی تمام کج خلقیاں اور تلخیاں عورتوں کی برداشت کرنی چاہئیں۔ہمیں تو کمال بے شرمی معلوم ہوتی ہے کہ مرد ہو کر عورت سے جنگ کریں۔ ہم کو خدا نے مرد بنایا ہے۔ درحقیقت ہم پر اتمامِ نعمت ہے۔ اس کا شکر یہ یہ ہے کہ ہم عورتوں سے لطف اور نرمی کا برتاؤ کریں۔''

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 1)

گھروں کے یہ حسن سلوک ہیں جو گھروں کو جنت نظیر بناتے ہیں۔ بچوں کی بھی تربیت ہو رہی ہوتی ہے اور گھر کا ماحول بھی خوشگوار رہتا ہے اور ایک مومن کے لیے تو یہی بہت بڑی خوشی ہونی چاہیے کہ اس کا گھر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تعلیم کے مطابق ایک نمونہ دکھا رہا ہے اور یہ گھروں کی قائم رہنے والی خوشی اور سکون کا ماحول جو ہے یہی ہے جو انسان کے لیے ہر دن عید کے سامان پیدا کرتا ہے۔

پھر آپؑ فرماتے ہیں ''یاد رکھو ہماری جماعت اس بات کے لئے نہیں ہے جیسے عام دنیا دار زندگی بسر کرتے ہیں۔ نرا زبان سے کہہ دیا کہ ہم اس سلسلہ میں داخل ہیں اور عمل کی ضرورت نہ سمجھی۔ جیسے بدقسمتی سے مسلمانوں کا حال ہے کہ پوچھو تم مسلمان ہو؟ تو کہتے ہیں شکر الحمد للہ۔ مگر نماز نہیں پڑھتے اور شعائر اللہ کی حرمت نہیں کرتے۔ پس میں تم سے یہ نہیں چاہتا کہ صرف زبان سے ہی اقرار کرو اور عمل سے کچھ نہ دکھاؤ۔ یہ نکمی حالت ہے۔ خدا تعالیٰ اس کو پسند نہیں کرتا اور دنیا کی اس حالت نے ہی تقاضا کیا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اصلاح کے لیے کھڑا کیا ہے۔ پس اب اگر کوئی میرے ساتھ تعلق رکھ کر بھی اپنی حالت کی اصلاح نہیں کرتا اور عملی قوتوں کو ترقی نہیں دیتا بلکہ زبانی اقرار ہی کو کافی سمجھتا ہے۔ وہ گویا اپنے عمل سے میری عدم ضرورت پر زور دیتا ہے۔ پھر تم اگر اپنے عمل سے ثابت کرنا چاہتے ہو کہ میرا آنا ہی بے سود ہے تو پھر میرے ساتھ تعلق کرنے کے کیا معنی ہیں؟ میرے ساتھ تعلق پیدا کرتے ہو تو میری اغراض و مقاصد کو پورا کرو اور وہ یہی ہیں کہ خدا تعالیٰ کے حضور اپنا اخلاص اور وفاداری دکھاؤ اور قرآن شریف کی تعلیم پر اسی طرح عمل کرو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھایا اور صحابہ نے کیا۔قرآن شریف کے صحیح منشا کو معلوم کرو اور اس پر عمل کرو۔ خدا تعالیٰ کے حضور اتنی ہی بات کافی نہیں ہوسکتی کہ زبان سے اقرار کر لیا اور عمل میں کوئی روشنی اور سرگرمی نہ پائی جاوے۔ یاد رکھو کہ وہ جماعت جو خدا تعالیٰ قائم کرنی چاہتا ہے۔ وہ عمل کے بدوں زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہ وہ عظیم الشان جماعت ہے جس کی تیاری حضرت آدم کے وقت سے شروع ہوئی۔ کوئی نبی دنیا میں نہیں آیا جس نے اس دعوت کی خبر نہ دی ہو پس اس کی قدر کرو اور اس کی قدر یہی ہے کہ اپنے عمل سے ثابت کر کے دکھاؤ کہ اہل حق کا گروہ تم ہی ہو۔''

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 370-371)

پس یہ بہت اہم باتیں ہیں۔ ہمارا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ماننا، آپ کی بیعت میں آنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ ظاہری خوشیاں ہمیں ہمارے مقصد میں کامیاب نہیں کر سکتیں۔صرف بیعت کرنے سے ہمارا مقصود ہمیں نہیں مل جاتا بلکہ اس کے لیے ہمیں کوشش کرنے کی ضرورت ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کا فضل بھی ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کا فضل ہو اور حقیقت میں اہل حق کا گروہ ہم بن جائیں تو پھر اس سے بڑی خوشی اور اس سے بڑی عید ہمارے لیے اور کون سی ہو گی۔

پھر آپؑ فرماتے ہیں: ''جماعت کے باہم اتفاق و محبت پر میں پہلے بہت دفعہ کہہ چکا ہوں کہ تم باہم اتفاق رکھو اور اجتماع کرو۔ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہی تعلیم دی تھی کہ تم وجود واحد رکھو ورنہ ہوا نکل جائے گی۔ نماز میں ایک دوسرے کے ساتھ جڑ کر کھڑے ہونے کا حکم اسی لئے ہے کہ باہم اتحاد ہو۔ برقی طاقت کی طرح ایک کی خیر دوسرے میں سرایت کرے گی۔ اگر اختلاف ہو، اتحاد نہ ہو تو پھر بے نصیب رہو گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آپس میں محبت کرو اور ایک دوسرے کے لئے غائبانہ دعا کرو۔ اگر ایک شخص غائبانہ دعا

کرے تو فرشتہ کہتا ہے کہ تیرے لئے بھی ایسا ہی ہو۔ کیسی اعلیٰ درجہ کی بات ہے۔ اگر انسان کی دعا منظور نہ ہو تو فرشتہ کی تو منظور ہوتی ہے۔ میں نصیحت کرتا ہوں اور کہنا چاہتا ہوں کہ آپس میں اختلاف نہ ہو۔ میں دو ہی مسئلے لے کر آیا ہوں۔ اول خدا کی توحید اختیار کرو۔ دوسرے آپس میں محبت اور ہمدردی ظاہر کرو۔ وہ نمونہ دکھلاؤ کہ غیروں کے لئے کرامت ہو۔ یہی دلیل تھی جو صحابہؓ میں پیدا ہوئی تھی۔ کُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ (آل عمران:104) یاد رکھو تالیف ایک اعجاز ہے۔ یاد رکھو جب تک تم میں ہر ایک ایسا نہ ہو کہ جو اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لئے پسند کرے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ وہ مصیبت اور بلا میں ہے۔'' فرمایا ''...... چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑائی ہوتی ہے ...... یاد رکھو بغض کا جدا ہونا مہدی کی علامت ہے اور کیا وہ علامت پوری نہ ہوگی۔ وہ ضرور پوری ہوگی'' لیکن ہم اپنے آپ کو نہیں بدلیں گے تو ان برکات سے ہم محروم ہو جائیں گے۔ فرمایا کہ ''...... میرے وجود سے ان شاء اللہ ایک صالح جماعت پیدا ہوگی۔ باہمی عداوت کا سبب کیا ہے؟ بخل ہے رعونت ہے خود پسندی ہے اور جذبات ہیں۔'' فرمایا ''میں کسی کے سبب سے اپنے اوپر اعتراض لینا نہیں چاہتا۔ ایسا شخص جو میری جماعت میں ہو کر میرے منشاء کے موافق نہ ہو وہ خشک ٹہنی ہے اس کو اگر باغبان کاٹے نہیں تو کیا کرے۔ خشک ٹہنی دوسری سبز شاخ کے ساتھ رہ کر پانی تو چوستی ہے مگر وہ اس کو سرسبز نہیں کرسکتا بلکہ وہ شاخ دوسری کو بھی لے بیٹھتی ہے۔''

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 48-49)

پس بہت ڈرنے کا مقام ہے۔ ہماری عیدیں کس طرح وہ عیدیں ہوسکتی ہیں جن میں ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خواہش کے مطابق اپنی اخلاقی حالتوں کو درست کر کے حقوق العباد کی طرف توجہ دے کر آپس میں محبت و پیار پیدا کر کے اس معیار تک نہیں پہنچتے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم سے چاہتے ہیں۔ صرف چند قریبی عزیزوں سے مل کر اور ان کے حقوق ادا کر کے تو حقیقی عید کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ پس حقیقی عید منانے کے لیے ہمیں دیکھنا ہوگا کہ ہم نے کہاں تک آپس کی محبت و الفت کا معیار حاصل کیا ہے۔

پھر آپ فرماتے ہیں ''اے سعادت مند لوگو! تم زور کے ساتھ اس تعلیم میں داخل ہو جو تمہاری نجات کے لئے مجھے دی گئی ہے۔ تم خدا کو واحد لاشریک سمجھو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو، نہ آسمان میں سے، نہ زمین میں سے۔ خدا اسباب کے استعمال سے تمہیں منع نہیں کرتا لیکن جو شخص خدا کو چھوڑ کر اسباب پر ہی بھروسہ کرتا ہے وہ مشرک ہے۔ قدیم سے خدا کہتا چلا آیا ہے کہ پاک دل بننے کے سوا نجات نہیں ہے سو تم پاک دل بن جاؤ اور نفسانی کینوں اور غصوں سے الگ ہو جاؤ۔ انسان کے نفس امارہ میں کئی قسم کی پلیدیاں ہوتی ہیں مگر سب سے زیادہ تکبر کی پلیدی ہے۔ اگر تکبر نہ ہوتا تو کوئی شخص کافر نہ رہتا سو تم دل کے مسکین بن جاؤ۔ عام طور پر بنی نوع کی ہمدردی کرو جب کہ تم انہیں بہشت دلانے کے لئے وعظ کرتے ہو۔ سو یہ وعظ تمہارا کب صحیح ہوسکتا ہے کہ اگر تم اس چند روزہ دنیا میں ان کی بدخواہی کرو۔ خدا تعالیٰ کے فرائض کو دلی خوف سے بجا لاؤ کہ تم ان سے پوچھے جاؤ گے۔ نمازوں میں بہت دعا کرو کہ تا خدا تمہیں اپنی طرف کھینچے اور تمہارے دلوں کو صاف کرے کیونکہ انسان کمزور ہے ہر ایک بدی جو دور ہوتی ہے وہ خدا کی قوت سے دور ہوتی ہے اور جب تک انسان خدا سے قوت نہ پاوے کسی بدی کے دور کرنے پر قادر نہیں ہوسکتا۔ اسلام صرف یہ نہیں ہے کہ رسم کے طور پر اپنے تئیں کلمہ گو کہلاؤ بلکہ اسلام کی حقیقت یہ ہے کہ تمہاری روحیں خدا تعالیٰ کے آستانہ پر گر جائیں اور خدا اور اس کے احکام ہر ایک پہلو کے رو سے تمہاری دنیا پر تمہیں مقدم ہو جائیں۔''

(تذکرۃ الشہادتین، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 63)

پس یہ وہ تعلیم ہے جو حقیقی عید کی خوشیاں دے سکتی ہے۔ اگر ہم اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالیں گے تو حقیقی عید منانے والے ہوں گے۔ صرف سال کی دو عیدیں ہی نہیں بلکہ ہر دن ہمارے لیے عید کا دن ہوگا کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کا حقیقی عبد بننے کے لیے اس کی عبادت کا حق ادا کرنے کی کوشش کریں گے جس سے اللہ تعالیٰ پہلے سے بڑھ کر ہمیں نوازے گا۔ ہم قرآن کریم کو پڑھ اور سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضلوں کا ہمیں وارث بنائے گا۔ ہم حقوق العباد کی ادائیگی کی کوشش کریں گے تو خدا تعالیٰ اپنی محبت کی نظر ہم پر ڈالے گا اور یہی چیزیں ہیں جس کو مل جائیں اس کی حقیقی عید ہو جاتی ہے۔ دعا اور کوشش کرنی چاہیے کہ یہ حقیقی عید ہم حاصل کرنے والے ہوں۔

آخر میں میں دعا کی طرف بھی توجہ دلانی چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے تو فلسطینی لوگوں کے لیے دعا کریں جن پر آج کل بہت زیادہ ظلم ہو رہے ہیں اور ان کو اپنے علاقوں میں ہی جانے کے لیے، مسجد اقصیٰ میں جانے کے لیے پرمٹ کی ضرورت ہے جو دیے نہیں جاتے جس سے ان کو روکا جاتا ہے اور جو نماز پڑھنے کے لیے گئے تو وہاں زبردستی ان پر ظلم کیا گیا، ان کو مارا گیا۔ حکومتی اہلکاروں کی طرف سے ان کو ظلم کا نشانہ بنانا پڑا۔ پھر اسی طرح ان کو شیخ جرّاح کا محلہ ہے، ایک چھوٹی سی آبادی ہے وہاں سے ان کو زبردستی نکالا جا رہا ہے۔ وہ ان کی اپنی جگہیں ہیں۔ اس پر اب میڈیا نے بہت سارا لکھنا شروع کر دیا ہے بلکہ اسرائیل کے اپنے اخباروں نے بھی لکھنا شروع کر دیا ہے۔ بعض جگہ پہ ان کے میڈیا نے بھی لکھنا شروع کیا ہے جو انصاف پسند ہیں۔ اور پولیس لوگوں پر آنسو گیس اور گولیاں برسا رہی ہے بلکہ ایئر سٹرائکس (Air Strikes) بھی کیے ہیں اس لیے کہ یہاں دشمن چھپے ہوئے ہیں، ان کو ہم مار رہے ہیں لیکن حقیقت میں ظلم کیا جا رہا ہے اور عوام الناس کو مارا جا رہا ہے۔ پھر یہ ہے کہ جو زخمی ہوتے ہیں سنا یہ ہے، پریس کی یہ رپورٹ ہے بعض جگہ کی کہ اسرائیلی پولیس طبی خیموں تک بھی ان کو پہنچنے نہیں دے رہی۔ میڈیکل ایڈ سے بھی ان کو محروم کیا جا رہا ہے۔ تو بہرحال مسجد اقصیٰ میں جو ظلم ہوا میں نے بتایا، اللہ تعالیٰ ان مظلوموں پر رحم اور فضل فرمائے اور ظالموں کی پکڑ کرے۔ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ امریکہ کہنے کو بڑا انصاف پسند ہے لیکن نو بچوں کے قتل پہ کوئی انہوں نے سٹیٹمنٹ نہیں دی، کوئی ہمدردی کا اظہار نہیں کیا جب تک یہ نو تھے اب تو اَور بھی زیادہ ہو چکے ہیں۔

پھر نیویارک ٹائمز نے بھی ہیومن رائٹس واچ کی رپورٹ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اسرائیل اور مقبوضہ علاقوں میں فلسطینیوں پہ اسرائیل یہودیوں کو فوقیت دیتا ہے۔ انصاف تو ہے ہی نہیں تو ظاہر ہے فوقیت دینی ہے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹ بھی یہی ہے کہ فلسطینیوں پر بہت زیادہ ظلم کیا جا رہا ہے۔ اسرائیلی قومی اخبار ہیرٹز (Haaretz) لکھتا ہے کہ یروشلم ابل رہا ہے۔ دمشق گیٹ پر رکاوٹیں کھڑی کرنا ایک اشتعال انگیز احمقانہ قدم تھا جس نے شیخ جراح محلہ میں سینکڑوں فلسطینیوں کو گھروں سے بے دخل ہونے کے پس منظر میں رمضان المبارک کے مقدس موقع پر رہائشیوں کو پریشان کر دیا۔ پھر ہیرٹز یہ بھی لکھتا ہے کہ عجیب بات ہے کہ انصاف کا انوکھا ورژن ہے جس کا اطلاق اس اصول پہ کیا جاتا ہے کہ جو میرا ہے وہ ہمیشہ کے لیے میرا ہے اور جو تمہارا ہے وہ بھی ہمیشہ کے لیے میرا ہے۔ اسی طرح ان سے فلسطینیوں کے حقوق چھینے جا رہے ہیں۔

بہرحال اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور یہ عید کی خوشیاں ان کے لیے تو غموں کا پہاڑ لے کر آئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے غموں کو خوشیوں میں تبدیل کرے۔ ان کو سکون کی زندگی میسر ہو۔ ان کو لیڈرشپ بھی ایسی اچھی ملے جو ان کی صحیح راہنمائی کرنے والی ہو۔ مسلم ممالک اکٹھے ہو کر اپنا کردار ادا کریں تو فلسطینیوں کو اور جو دوسری جگہ مظلوم مسلمان ہیں، جہاں بھی ہیں، ان کو ظلموں سے بچا سکتے ہیں۔ لیکن مسلم اُمّہ بھی اکٹھی نہیں ہوتی مسلم ممالک کو جو ردّ عمل دکھانا چاہیے تھا اس زور سے نہیں دکھایا جا رہا۔ ہلکے پھلکے بیان دے دیتے ہیں حالانکہ بڑا اکٹھا ایک مشترکہ بیان ہوتا تو اس میں طاقت ہوتی۔ تو بہرحال اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی لیڈرشپ کو بھی عقل دے اور اسرائیلیوں کو بھی عقل دے کہ وہ ظلم نہ کریں۔ فلسطینیوں کو بھی جو بغیر لیڈرشپ کے اپنی مرضی کر رہے ہیں ان کو بھی اللہ تعالیٰ اس لحاظ سے بھی عقل دے اگر ان کی طرف سے کوئی ظلم ہے، اول تو نہیں ہے، وہ مظلوم ہیں، اگر وہ ڈنڈے کا استعمال کر رہے ہیں تو وہاں توپوں کا استعمال ہو رہا ہے۔ پہلے بھی میں کہہ چکا ہوں طاقت کے توازن کی تو کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ پس فلسطینیوں کے لیے بہت زیادہ دعا کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ ان کے حالات کو بہتر کرے اور ان کے لیے آزادی کے سامان پیدا کرے اور جو پہلے معاہدے کے تحت، ابتدائی معاہدے کے تحت جو ان کو جگہیں میسر ہیں وہ ان کو ملی رہیں اور اس پر قائم رہیں۔

اسی طرح تمام دنیا کے مظلوم احمدیوں کے لیے بھی دعائیں کریں جن پر سختیاں کی جا رہی ہیں پاکستان میں یا الجزائر میں یا کسی بھی ملک میں اللہ تعالیٰ ان کو بھی مخالفین اور اگر حکومتی کارندے ہیں تو ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ دنیا کے تمام ضرورت مند لوگوں کے لیے دعا کریں اللہ تعالیٰ ان کی جائز ضرورتوں کو پورا فرمائے، ان کی مشکلات کو دور فرمائے۔ عمومی طور پر دنیا میں ظلم کے خاتمہ کے لیے دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ اس دنیا سے ظلم کا خاتمہ کرے اور خدا تعالیٰ کو پہچاننے والے یہ لوگ ہو جائیں۔ آج کل جو وبا پھیلی ہوئی ہے اس کے لیے بھی دعا کریں اللہ تعالیٰ اس وبا سے بھی جلد نجات دے اور وہیں دوبارہ ایسے حالات پیدا ہوں جہاں امن ہو اور دوبارہ نارمل حالات پہ دنیا آ جائے لیکن یہ تبھی ممکن ہے جب دنیا والے خدا تعالیٰ کو پہچانیں گے، اللہ کا حق ادا کرنے والے بنیں گے اور اس کے بندوں کا حق ادا کرنے والے بنیں گے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

(الفضل انٹرنیشنل 6 جولائی 2021ء صفحہ 6-11)

☆...☆...☆

اداریہ

کتاب تعلیم کی تیاری

قسط 17

اس عنوان کے تحت درج ذیل تین عناوین پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات اکٹھے کئے جا رہے ہیں۔

1۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ہمارے کیا فرائض ہیں؟

2۔ نفس کے ہم پر کیا حقوق ہیں؟

3۔ بنی نوع کے ہم پر کیا کیا حقوق ہیں؟

اللہ کے حضور ہمارے فرائض

خدا جب بندے سے خوش ہو جاتا ہے تو وہ اپنے بندے کو خود عظمت اور رعب عطا کر دیتا ہے کیونکہ حق کے ساتھ ایک عظمت اور رُعب ہوتا ہے۔ دیکھو ابوجہل وغیرہ جو اس وقت مکّہ میں بڑے آدمی بنے ہوئے تھے اصل میں ان کا سارا تکبّر اور دبدبہ جھوٹا تھا۔ ان کی عظمت فانی تھی۔ چنانچہ نتیجہ میں دیکھ لو کہ ان کی عظمت و شوکت کہاں گئی۔

اصل بات یہ ہے کہ سچا رُعب اور حقیقی عظمت ان لوگوں کو عطا کی جاتی ہے جو اول خدا کے واسطے اپنے اُوپر ایک موت وارد کر لیتے ہیں اور اپنی عظمت اور جلال کو خاکساری سے، انکساری سے، تواضع سے تبدیل کر دیتے ہیں۔ تب چونکہ انہوں نے خدا کے لئے اپنا سب کچھ خرچ کیا ہوتا ہے خدا خود اُن کو اُٹھاتا ہے اور قدرت نمائی سے ان کو نوازتا ہے۔ دیکھو تو بھلا اگر حضرت ابوبکر اور عُمر بھی اپنی پہلی خاندانی بزرگی اور عظمت ہی کو دل میں جگہ دیئے رہتے اور خدا کے لئے وہ اپنا سب کچھ نہ کھو بیٹھتے تو کیا تھے زیادہ سے زیادہ مکّہ کے کھڑپنچ بن جاتے مگر نہیں خدا تعالیٰ نے ان کے دلوں کے اندرونہ حالات کو خلوص سے بھرا پایا اور انہوں نے خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی کسی بزرگی اور عظمت وسطوت کی پرواہ نہ کی بلکہ سب کچھ نثار کر دیا اور خدا کے لئے فروتن، متواضع، اور خاکسار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو کیسا نوازا۔ کیسی عظمت اور جبروت عطا کی۔ بھلا جو کچھ خدا نے ان کو دیا اس کا وہم بھی کبھی کسی عرب کے دل میں اس وقت آ سکتا تھا؟ ہرگز نہیں۔ پس سچی عظمت اور سچا رعب یہی تھا نہ کہ ابوجہل وغیرہ کا۔ اور یہ سچی باتیں انہی کو دی جاتی ہیں جو پہلے اپنے اُوپر خدا کے لئے ایک موت وارد کر لیتے ہیں۔

(ملفوظات جلد دہم صفحہ 159 ایڈیشن 1984ء)

پھر توبہ استغفار وصول الی اللہ کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِیۡنَ جَاہَدُوۡا فِیۡنَا لَنَہۡدِیَنَّہُمۡ سُبُلَنَا۔ (العنکبوت: 70) پوری کوشش سے اس کی راہ میں لگے رہو۔ منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی سے بُخل نہیں۔ آخر انہیں مسلمانوں میں سے وہ تھے جو قطب اور ابدال اور غوث ہوئے۔ اب بھی اس کی رحمت کا دروازہ بند نہیں۔ قلب سلیم پیدا کرو۔ نماز سنوار کر پڑھو۔ دعائیں کرتے رہو۔ ہماری تعلیم پر چلو۔ ہم بھی دُعا کریں گے۔

یاد رکھو۔ ہمارا طریق بعینہٖ وہی ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا تھا۔ آج کل فقراء نے کئی بدعتیں نکال لی ہیں۔ یہ چلّے اور وِرد وظائف جو انہوں نے رائج کر لئے ہیں ہمیں ناپسند ہیں۔ اصل طریق اسلام قرآن مجید کو تدبّر سے پڑھنا اور جو کچھ اس میں ہے اس پر عمل کرنا اور نماز توجہ کے ساتھ پڑھنا اور دعائیں توجہ اور انابت الی اللہ سے کرتے رہنا۔ بس نماز ہی ایسی چیز ہے جو معراج کے مراتب تک پہنچا دیتی ہے۔ یہ ہے تو سب کچھ ہے۔

(ملفوظات جلد دہم صفحہ 107 ایڈیشن 1984ء)

توبہ استغفار کرتے رہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ جو استغفار کرتا ہے اُسے رزق میں کشائش دیتا ہے۔

(ملفوظات جلد دہم صفحہ 110 ایڈیشن 1984ء)

نفس کے ہم پر حقوق

انسان میں ایک ملکہ اختلاط کا ہوتا ہے کہ وہ سرود سے حظ اُٹھاتا ہے اور اس کے نفس کو دھوکا لگتا ہے کہ میں اس مضمون سے سرور پا رہا ہوں مگر دراصل نفس کو صرف حظ درکار ہوتا ہے خواہ اس میں شیطان کی تعریف ہو یا خدا کی۔ جب یہ لوگ اس میں گرفتار ہو کر فنا ہو جاتے ہیں تو ان کے واسطے شیطان کی تعریف یا خدا کی سب برابر ہو جاتے ہیں۔

(ملفوظات جلد دہم صفحہ 177 ایڈیشن 1984ء)

ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے جو جماعت بنائی تھی۔ ان میں سے ہر ایک زکی نفس تھا اور ہر ایک نے اپنی جان کو دین پر قربان کر دیا ہوا تھا۔ ان میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو منافقانہ زندگی رکھتا ہو۔ سب کے سب حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرنے والے تھے۔ سو یاد رکھو اس جماعت کو بھی خدا تعالیٰ انہیں کے نمونہ پر چلانا چاہتا ہے اور صحابہؓ کے رنگ میں رنگین کرنا چاہتا ہے۔ جو شخص منافقانہ زندگی بسر کرنے والا ہو گا وہ آخر اس جماعت سے کاٹا جائے گا۔

(ملفوظات جلد دہم صفحہ 74 ایڈیشن 1984ء)

ہم یہ نہیں کہتے کہ زراعت والا زراعت کو اور تجارت والا تجارت کو، ملازمت والا ملازمت کو اور صنعت و حرفت والا اپنے کاروبار کو ترک کر دے اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ لَا تُلۡہِیۡہِمۡ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیۡعٌ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ (النور: 38) والا معاملہ ہو۔ دست با کار دل بایار والی بات ہو۔ تاجر اپنے کاروبار تجارت میں اور زمیندار اپنے امور زراعت میں اور بادشاہ اپنے تخت حکومت پر بیٹھ کر، غرض جو جس کام میں ہے اپنے کاموں میں خدا کو نصب العین رکھے اور اس کی عظمت اور جبروت کو پیش نظر رکھ کر اس کے احکام اور اوامر و نواہی کا لحاظ رکھتے ہوئے جو چاہے کرے۔ اللہ سے ڈر اور سب کچھ کر۔

اسلام کہاں ایسی تعلیم دیتا ہے کہ تم کاروبار چھوڑ کر لنگڑے لُولوں کی طرح نکمّے بیٹھے رہو اور بجائے اس کے کہ اَوروں کی خدمت کرو خود دوسروں پر بوجھ بنو۔ نہیں بلکہ سُست ہونا گناہ ہے۔ بھلا ایسا آدمی پھر خدا اور اس کے دین کی کیا خدمت کر سکے گا۔ عیال و اطفال جو خدا نے اس کے ذمّے لگائے ہیں ان کو کہاں سے کھلائے گا۔

پس یاد رکھو کہ خدا کا یہ ہرگز منشاء نہیں کہ تم دنیا کو بالکل ترک کر دو۔ بلکہ اس کا جو منشاء ہے وہ یہ ہے کہ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰہَا (الشمس: 10) تجارت کرو، زراعت کرو، ملازمت کرو اور حرفت کرو، جو چاہو کرو مگر نفس کو خدا کی نافرمانی سے روکتے رہو اور ایسا تزکیہ کرو کہ یہ امور تمہیں خدا سے غافل نہ کر دیں۔ پھر جو تمہاری دنیا ہے یہی دین کے حکم میں آ جاوے گی۔

انسان دنیا کے واسطے پیدا نہیں کیا گیا۔ دل پاک ہو اور ہر وقت یہ لَو اور تڑپ لگی ہوئی ہو کہ کسی طرح خدا خوش ہو جائے تو پھر دنیا بھی اس کے واسطے حلال ہے۔ اِنَّمَا الۡاَعۡمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔

(ملفوظات جلد دہم صفحہ 260-261 ایڈیشن 1984ء)

بنی نوع کے ہم پر حقوق

میں کثرت جماعت سے کبھی خوش نہیں ہوتا۔ اب اگرچہ چار لاکھ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ مگر حقیقی جماعت کے معنے یہ نہیں ہیں کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر صرف بیعت کر لی۔ بلکہ جماعت حقیقی طور سے جماعت کہلانے کی تب مستحق ہو سکتی ہے کہ بیعت کی حقیقت پر کاربند ہو۔ سچے طور سے ان میں ایک پاک تبدیلی پیدا ہو جاوے اور ان کی زندگی گناہ کی آلائش سے بالکل صاف ہو جاوے۔ نفسانی خواہشات اور شیطان کے پنجے سے نکل کر خدا تعالیٰ کی رضا میں محو ہو جاویں۔ حق اللہ اور حق العباد کو فراخدلی سے پورے اور کامل طور سے ادا کریں۔ دین کے واسطے اور اشاعتِ دین کے لئے ان میں ایک تڑپ پیدا ہو جاوے۔ اپنی خواہشات اور ارادوں آرزوؤں کو فنا کر کے خدا کے بن جاویں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم گمراہ ہو پر جسے میں ہدایت دوں۔ تم سب اندھے ہو مگر وہ جس کو میں نُور بخشوں۔ تم سب مُردے ہو مگر وہی زندہ ہے جس کو میں رُوحانی زندگی کا شربت پلاؤں۔ انسان کو خدا تعالیٰ کی ستاری ڈھانکے رکھتی ہے ورنہ اگر لوگوں کے اندرونی حالات اور باطن دنیا کے سامنے کر دیئے جاویں تو قریب ہے کہ بعض بعض کے قریب تک بھی جانا پسند نہ کریں۔ خدا تعالیٰ بڑا ستار

ہے۔ انسانوں کے عیوب پر ہر ایک کو اطلاع نہیں دیتا۔ پس انسان کو چاہیئے کہ نیکی میں کوشش کرے اور ہر وقت دعا میں لگا رہے

یقیناً جانو کہ جماعت کے لوگوں میں اور ان کے غیر میں اگر کوئی مابہ الامتیاز ہی نہیں ہے۔ تو پھر خدا کوئی کسی کا رشتہ دار تو نہیں ہے۔ کیا وجہ ہے کہ ان کو عزت دے اور ہر طرح حفاظت میں رکھے۔ اور ان کو ذلّت دے اور عذاب میں گرفتار کرے۔ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ (المائدۃ: 28)۔ متقی وہی ہیں کہ خدا تعالیٰ سے ڈر کر ایسی باتوں کو ترک کر دیتے ہیں جو منشاء الٰہی کے خلاف ہیں نفس اور خواہشات نفسانی کو اور دنیا و مافیہا کو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ہیچ سمجھیں۔ ایمان کا پتہ مقابلہ کے وقت لگتا ہے۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ایک کان سے سُنتے ہیں دوسری طرف نکال دیتے ہیں۔ ان باتوں کو دل میں نہیں اُتارتے۔ چاہے جتنی نصیحت کرو مگر ان کو اثر نہیں ہوتا۔ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ بڑا بے نیاز ہے جب تک کثرت سے اور بار بار اضطراب سے دعا نہیں کی جاتی وہ پروا نہیں کرتا۔ دیکھو کسی کی بیوی یا بچہ بیمار ہو یا کسی پر سخت مقدمہ آجاوے تو ان باتوں کے واسطے اس کو کیسا اضطراب ہوتا ہے۔ پس دعا میں بھی جب تک سچی تڑپ اور حالت اضطراب پیدا نہ ہو تب تک وہ بالکل بے اثر اور بیہودہ کام ہے۔ قبولیت کے واسطے اضطراب شرط ہے جیسا کہ فرمایا۔ اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکۡشِفُ السُّوۡٓءَ (النمل: 63)۔

ہماری جماعت کے لوگوں کو نمونہ بن کر دکھانا چاہیئے۔ اگر کسی کی زندگی بیعت کے بعد بھی اسی طرح کی ناپاک اور گندی زندگی ہے جیسا کہ بیعت سے پہلے تھی اور جو شخص ہماری جماعت میں ہو کر بُرا نمونہ دکھاتا ہے اور عملی یا اعتقادی کمزوری دکھاتا ہے تو وہ ظالم ہے کیونکہ وہ تمام جماعت کو بدنام کرتا ہے اور ہمیں بھی اعتراض کا نشانہ بناتا ہے۔ بُرے نمونے سے اوروں کو نفرت ہوتی ہے اور اچھے نمونہ سے لوگوں کو رغبت پیدا ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کے ہمارے پاس خط آتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں اگرچہ آپ کی جماعت میں ابھی داخل نہیں مگر آپ کی جماعت کے بعض لوگوں کے حالات سے البتہ اندازہ لگاتا ہوں کہ اس جماعت کی تعلیم ضرور نیکی پر مشتمل ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا وَّالَّذِیۡنَ ہُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ (النحل: 129) خدا تعالیٰ بھی انسان کے اعمال کا روزنامچہ بناتا ہے۔ پس انسان کو بھی اپنے حالات کا ایک روزنامچہ تیار کرنا چاہیئے اور اس میں غور کرنا چاہیئے کہ نیکی میں کہاں تک آگے قدم رکھا ہے۔ انسان کا آج اور کل برابر نہیں ہونے چاہئیں جس کا آج اور کل اس لحاظ سے کہ نیکی میں کیا ترقی کی ہے برابر ہو گیا وہ گھاٹے میں ہے۔ انسان اگر خدا کو ماننے والا اور اسی پر کامل ایمان رکھنے والا ہو تو کبھی ضائع نہیں کیا جاتا بلکہ اس ایک کی خاطر لاکھوں جانیں بچائی جاتی ہیں۔

ایک شخص جو اولیاء اللہ میں سے تھے ان کا ذکر ہے کہ وہ جہاز میں سوار تھے۔ سمندر میں طوفان آ گیا۔ قریب تھا کہ جہاز غرق ہو جاتا۔ اس کی دُعا سے بچا لیا گیا اور دُعا کے وقت اس کو الہام ہوا کہ تیری خاطر ہم نے سب کو بچا لیا۔ مگر یہ باتیں نِرا زبانی جمع خرچ کرنے سے حاصل نہیں ہوتیں۔

دیکھو ہمیں بھی خدا تعالیٰ نے ایک وعدہ دیا ہے اِنِّیۡۤ اُحَافِظُ کُلَّ مَنۡ فِی الدَّارِ۔ مگر دیکھو ان میں غافل عورتیں بھی ہیں۔ مختلف طبائع اور حالات کے انسان ہیں۔ خدانخواستہ اگر ان میں سے کوئی طاعون سے مر جاوے یا جیسا کہ بعض آدمی ہماری جماعت میں سے طاعون سے فوت ہو گئے ہیں تو ان دشمنوں کو ایک اعتراض کا موقع ہاتھ آ گیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ یَلۡبِسُوۡۤا اِیۡمَانَہُمۡ بِظُلۡمٍ (الانعام: 83)۔ بہرحال جماعت کے افراد کی کمزوری یا بُرے نمونہ کا اثر ہم پر پڑتا ہے اور لوگوں کو خواہ مخواہ اعتراض کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ پس اس واسطے ہماری طرف سے تو یہی نصیحت ہے کہ اپنے آپکو عمدہ اور نیک نمونہ بنانے کی کوشش میں لگے رہو۔ جب تک فرشتوں کی سی زندگی نہ بن جاوے تب تک کیسے کہا جا سکتا ہے کہ کوئی پاک ہو گیا۔ یَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ (النحل: 51) فانی اللہ ہو جانا اور اپنے سب ارادوں اور خواہشات کو چھوڑ کر محض اللہ کے ارادوں اور احکام کا پابند ہو جانا چاہیئے کہ اپنے واسطے بھی اور اپنی اولاد بیوی بچوں خویش و اقارب اور ہمارے واسطے بھی باعثِ رحمت بن جاؤ۔ مخالفوں کے واسطے اعتراض کا موقعہ ہرگز ہرگز نہ دینا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فَمِنۡہُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِہٖ ۚ وَمِنۡہُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ۚ وَمِنۡہُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَیۡرٰتِ (فاطر: 33) پہلی دونوں صفات ادنیٰ ہیں۔ سَابِقٌۢ بِالۡخَیۡرٰتِ بننا چاہیئے۔ ایک ہی مقام پر ٹھہر جانا کوئی اچھی صفت نہیں۔ دیکھو ٹھہرا ہوا پانی آخر گندہ ہو جاتا ہے۔ کیچڑ کی صحبت کی وجہ سے بدبودار اور بدمزا ہو جاتا ہے۔ چلتا پانی ہمیشہ عمدہ سُتھرا اور مزیدار ہوتا ہے اگرچہ اس میں بھی نیچے کیچڑ ہو مگر کیچڑ اس پر کچھ اثر نہیں کر سکتا۔ یہی حال انسان کا ہے کہ ایک ہی مقام پر ٹھہر نہیں جانا چاہیئے۔ یہ حالت خطرناک ہے۔ ہر وقت قدم آگے ہی رکھنا چاہیئے۔ نیکی میں ترقی کرنی چاہیئے ورنہ خدا تعالیٰ انسان کی مدد نہیں کرتا اور اس طرح سے انسان بے نُور ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ آخر کار بعض اوقات ارتداد ہو جاتا ہے۔ اس طرح سے انسان دل کا اندھا ہو جاتا ہے۔

خدا تعالیٰ کی نُصرت انہیں کے شامل حال ہوتی ہے جو ہمیشہ نیکی میں آگے ہی آگے قدم رکھتے ہیں ایک جگہ نہیں ٹھہر جاتے اور وہی ہیں جن کا انجام بخیر ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کو ہم نے دیکھا ہے کہ ان میں بڑا شوق ذوق اور شدت رقّت ہوتی ہے مگر آگے چل کر بالکل ٹھہر جاتے ہیں اور آخر ان کا انجام بخیر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ دعا سکھلائی ہے کہ اَصۡلِحۡ لِیۡ فِیۡ ذُرِّیَّتِیۡ (الاحقاف: 16)۔ میرے بیوی بچوں کی بھی اصلاح فرما۔ اپنی حالت کی پاک تبدیلی اور دعاؤں کے ساتھ ساتھ اپنی اولاد اور بیوی کے واسطے بھی دعا کرتے رہنا چاہیئے کیونکہ اکثر فتنے اولاد کی وجہ سے انسان پر پڑ جاتے ہیں اور اکثر بیوی کی وجہ سے۔ دیکھو پہلا فتنہ حضرت آدم پر بھی عورت ہی کی وجہ سے آیا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کے مقابلے میں بلعم کا ایمان جو حبط کیا گیا اصل میں اس کی وجہ بھی توریت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بلعم کی عورت کو اس بادشاہ نے بعض زیورات دکھا کر طمع دے دیا تھا اور پھر عورت نے بلعم کو حضرت موسیٰؑ پر بد دعا کرنے کے واسطے اُکسایا تھا۔ غرض ان کی وجہ سے بھی اکثر انسان پر مصائب شدائد آجایا کرتے ہیں تو اُن کی اصلاح کی طرف بھی پوری توجہ کرنی چاہیئے اور ان کے واسطے بھی دعائیں کرتے رہنا چاہیئے۔

(ملفوظات جلد دہم صفحہ 136-139 ایڈیشن 1984ء)

(ترتیب و کمپوز: عنبرین نعیم)

بقیہ: فرمان خلیفۂ وقت...... از صفحہ 1

بھی دینی کام سے انسان غافل نہ ہو۔ اسی طرح نمازوں کی طرف توجہ کے بجائے اچھا لباس پہنا ہوا ہے، استری کیا ہوا لباس پہنا ہوا ہے، تو صرف اپنے کپڑوں کی شکنوں کی طرف نظر نہ رہے۔

پس اسلام یہ کہتا ہے کہ کبھی بھی تم دینی کام سے غافل نہ ہو تبھی دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا حق ادا کر سکتے ہو۔ اسی طرح اعلیٰ کھانے ہیں ان سے دین نہیں روکتا لیکن ان کا دین کے راستے میں حائل ہو جانا ناجائز ہے۔ پس ہمیں ہمیشہ اپنے کاموں میں ان باتوں کو سامنے رکھنا چاہیے کہ جو چیزیں دین کے معاملے میں روک ہوں انہیں دُور کیا جائے۔

اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ’’دیکھو دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو اسلام قبول کر کے دنیا کے کاروبار اور تجارتوں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ شیطان ان کے سر پر سوار ہو جاتا ہے۔‘‘ بالکل دنیا میں پڑ جاتے ہیں۔ فرمایا: ’’میرا یہ مطلب نہیں کہ تجارت کرنی منع ہے۔ نہیں۔ صحابہ تجارتیں بھی کرتے تھے مگر وہ دین کو دنیا پر مقدم رکھتے تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا تو اسلام کے متعلق سچا علم جو یقین سے ان کے دلوں کو لبریز کر دے انہوں نے حاصل کیا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کسی میدان میں شیطان کے حملے سے نہیں ڈگمگائے۔ کوئی امر ان کو سچائی کے اظہار سے نہیں روک سکا‘‘۔ فرمایا کہ ’’جو بالکل دنیا ہی کے بندے اور غلام ہو جاتے ہیں۔ گویا دنیا کے پرستار ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر شیطان اپنا غلبہ اور قابو پا لیتا ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہوتے ہیں جو دین کی ترقی کی فکر میں ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ گروہ ہوتا ہے جو حزبُ اللہ کہلاتا ہے اور جو شیطان اور اس کے لشکر پر فتح پاتا ہے‘‘۔

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 193-194 ایڈیشن 1984ء مطبوعہ انگلستان)

(خطبہ جمعہ 17 اکتوبر 2014ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)

مولانا صداقت احمد۔ مبلغ انچارج جرمنی

عفو و درگزر: آنحضرت ﷺ کے اُسوہ حَسنہ کی روشنی میں

(تقریر جلسہ سالانہ جرمنی 2021ء)

اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ فِی السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ وَ الۡعَافِیۡنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ۔

(آل عمران: 135)

وہ لوگ جو آسائش میں بھی خرچ کرتے ہیں اور تنگی میں بھی اور غصہ کو دبا جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے

عفو عربی زبان کا ایک لفظ ہے جس کے معانی معاف کرنے، بخش دینے، درگزر کرنے اور بدلہ نہ لینے کے ہیں۔ کسی کی زیادتی اور برائی پر انتقام کی قدرت و طاقت رکھنے کے باوجود انتقام نہ لینا اور معاف کر دینا ہی حقیقی عفو کہلاتا ہے۔ عفو کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی معاف کر دے خواہ طبیعت اس پر آمادہ نہ بھی ہو اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ دلی خوشی کے ساتھ معاف کرے اور ممکن ہو تو قصوروار کے ساتھ کچھ احسان کا معاملہ بھی کرے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک نام ''العفو'' بھی ہے یعنی وہ ذات ہے جو گناہوں سے درگزر کرنے والی، گناہوں کو مٹانے والی اور ان کے بداثرات کو زائل کرنے والی ہے۔ بندوں کو بھی حکم ہے کہ وہ اپنے آپ کو اخلاق ربانی سے متصف اور مزین کرنے کی کوشش کریں۔ عفو کی صفت کا دائرہ صفت غفور سے زیادہ وسیع ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب اسلامی اصول کی فلاسفی میں عفو کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

''دوسری قسم اُن اخلاق کی جو ایصالِ خیر سے تعلق رکھتے ہیں۔ پہلا خُلق ان میں سے عفو ہے یعنی کسی کے گناہ کو بخش دینا۔ اس میں ایصالِ خیر یہ ہے کہ جو گناہ کرتا ہے وہ ایک ضرر پہنچاتا ہے اور اس لائق ہوتا ہے کہ اس کو بھی ضرر پہنچایا جائے، سزا دی جائے، قید کرایا جائے، جرمانہ کرایا جائے یا آپ ہی اس پر ہاتھ اٹھایا جائے۔ پس اس کو بخش دینا اگر بخش دینا مناسب ہو تو اس کے حق میں ایصال خیر ہے اس میں قرآن شریف کی تعلیم یہ ہے۔ اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ وَالۡعَافِیۡنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ (آل عمران: 135) وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثۡلُہَا ۚ فَمَنۡ عَفَا وَاَصۡلَحَ فَاَجۡرُہٗ عَلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ (الشوریٰ 41) نیک آدمی وہ ہیں جو غصہ کھانے کے محل پر اپنا غصہ کھا جاتے ہیں اور بخشنے کے محل پر گناہ کو بخشتے ہیں۔ بدی کی سزا اسی قدر بدی ہے جو کی گئی ہو۔ لیکن جو شخص گناہ کو بخش دے اور ایسے موقعہ پر بخش دے کہ اس سے کوئی اصلاح ہوتی ہو کوئی شر پیدا نہ ہوتا ہو۔ یعنی عین عفو کے محل پر ہو۔ نہ غیر محل پر تو اس کا بدلہ پائے گا۔''

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 351)

عفو و درگزر انسانی اخلاق و اوصاف میں سے ایک نہایت ہی بلند پایہ اور عالی وصف ہے۔ معاف کرنے سے دلوں سے کینہ، بغض، نفرت اور کدورت دور ہوتی ہیں، محبتیں پروان چڑھتی ہیں، انتقام لینے کا جذبہ ٹھنڈا پڑتا ہے، نفس کی اصلاح میں مدد ملتی ہے اور معاشرے میں سنجیدگی، امن وسکون اور پیار و محبت کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ اگر انتقام اور بدلہ لینے کا سلسلہ شروع ہو جائے تو اس سے دنیا کا امن وسکون ختم ہوتا ہے۔ معاف کرنے والوں کو اللہ پسند کرتا ہے اور ان کا شمار اپنے محبوب بندوں میں کرتا ہے اور ایسا شخص لوگوں کی نظروں میں بھی مکرم اور قابل تعریف ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے ذاتی معاملات میں عفو و درگزر، اغماض و چشم پوشی سے کام لینے سے دل و دماغ اور افکار و خیالات پر نہایت عمدہ اور مثبت اثر پڑتا ہے۔

قرآن کریم اور احادیث میں متعدد مقامات پر عفو و درگزر سے کام لینے کی تلقین اور اس خلق سے متصف افراد کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے سورۃ آل عمران میں فرماتا ہے:

فَبِمَا رَحۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنۡتَ لَہُمۡ ۚ وَلَوۡ کُنۡتَ فَظًّا غَلِیۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِکَ ۪ فَاعۡفُ عَنۡہُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَہُمۡ

(آل عمران: 160)

ترجمہ۔ پس اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کی وجہ سے تو ان کے لئے نرم ہوگیا۔ اور اگر تو تندخو اور سخت دل ہوتا تو وہ ضرور تیرے گرد سے دور بھاگ جاتے۔ پس ان سے درگزر کر اور ان کے لئے بخشش کی دعا کر

....

سورۃ الاعراف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

خُذِ الۡعَفۡوَ وَاۡمُرۡ بِالۡعُرۡفِ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡجٰہِلِیۡنَ۔

(الاعراف: 200)

یعنی عفو اختیار کر اور معروف کا حکم دے اور جاہلوں سے اعراض کر

سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنۡ تُبۡدُوۡا خَیۡرًا اَوۡ تُخۡفُوۡہُ اَوۡ تَعۡفُوۡا عَنۡ سُوۡٓءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیۡرًا۔

(النساء: 150)

یعنی اگر تم کوئی نیکی ظاہر کرو یا اسے چھپائے رکھو یا کسی برائی سے چشم پوشی کرو تو یقیناً اللہ بہت درگزر کرنے والا اور دائمی قدرت رکھنے والا ہے۔

غصے کو پی جانا اور قصوروار کا قصور معاف کرتے ہوئے اس سے درگزر کرنا بڑی ہمت کا کام ہے اور اس خُلق کو اپنانے والوں کو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں بہت سے انعامات سے نوازتا ہے۔

جب ہم پیارے آقا حضرت محمد ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو عفو و درگزر کا خلق آپ کی سیرت میں بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ آپ خدا تعالیٰ کی صفت ''عفو'' کے کامل مظہر تھے۔ ساری زندگی آپ نے خدا کے احکام خُذِ الۡعَفۡوَ وَاۡمُرۡ بِالۡعُرۡفِ، وَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ اور دَعۡ اَذٰىہُمۡ کو حرزِ جان بنائے رکھا اور ایسے عفو و درگزر کا نمونہ دکھایا جو فقید المثال ہے۔ عفو بھی ایسا جو نہ صرف برمحل تھا بلکہ خاص طور پر ایسے وقت میں ظاہر ہوا جب آپ کو انتقام اور بدلہ لینے کے طاقت اور قوت بڑی شان کے ساتھ حاصل تھی لیکن قربان جائیں آپ کی ذات اقدس پر کہ آپ نے ہمیشہ صبر و تحمّل، حلم و بردباری، عفو و درگزر اور رحمت کے پہلو کو اپنائے رکھا اور کبھی انتقام کی پالیسی کو اختیار نہیں کیا۔ جو بھی آپ کے دربار میں معافی کا خواستگار بن کر آیا خالی ہاتھ نہ لوٹا۔ آپ نے عفو و درگزر کی ایسی روشن اور درخشندہ مثالیں قائم فرمائی ہیں کہ جن کا ذکر سن کر ہر شخص چاہے اس کا تعلق کسی مذہب و ملت سے ہو متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

آنحضرت ﷺ کے عفو درگزر کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا گواہی دیتے ہوئے فرماتی ہیں:

''نبی کریم ﷺ نے کبھی اپنی ذات کی خاطر اپنے اوپر ہونے والی کسی زیادتی کا انتقام نہیں لیا''

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے آنحضرت ﷺ کے بارے میں توریت میں مذکور علامات پوچھی گئیں تو انہوں نے بیان کیا:

''وہ نبی تندخو اور سخت دل نہ ہوگا نہ بازاروں میں شور کرنے والا۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دے گا بلکہ عفو اور بخشش سے کام لے گا''

حضرت خدیجہؓ کے صاحبزادے ھند جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت رہے ہیں ان کا بیان ہے:

''رسول اللہ ﷺ دنیا اور اس کی اغراض کی خاطر کبھی غصے نہیں ہوتے تھے۔۔۔۔ اپنی ذات کی خاطر نہ کبھی آپ غصے ہوئے نہ بدلہ لیا''

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا:

جب میں نے جنت میں اونچے اونچے محلات دیکھے تو جبرائیل سے پوچھا یہ کن لوگوں کیلئے ہیں! انہوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ ان لوگوں کیلئے ہیں جو غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں سے درگذر کرتے ہوئے انہیں معاف کر دیتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

جس کے پاس اس کا بھائی معذرت خواہ ہو کر آئے تو اس کا عذر قبول کرے خواہ صحیح ہو یا غلط۔ اگر ایسا نہیں کرے گا تو میرے حوض پر نہ آئے

(حاکم، کنز جلد 3 صفحہ 368)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ صدقہ سے مال میں کمی نہیں ہوتی اور جو شخص دوسرے کے قصور معاف کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اور عزت دیتا ہے اور کسی کے قصور معاف کر دینے سے عزت کم نہیں ہوتی۔

(مسلم، باب استحباب العفو)

حضرت معاذ بن انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ تو قطع تعلق کرنے والے سے تعلق قائم رکھے اور جو تجھے نہیں دیتا اُسے بھی دے اور جو تجھے برا بھلا کہتا ہے اس سے تو درگزر کر۔

(مسند احمد بن حنبل)

حضرت عبداللہ بن ابوبکر بیان کرتے ہیں کہ ایک عرب نے ان سے ذکر کیا کہ جنگ حنین میں بھیڑ کی وجہ سے اس کا پاؤں آنحضرت کے پاؤں پر جا پڑا۔ سخت قسم کی چپل جو میں نے پہن رکھی تھی اس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کا پاؤں بری طرح زخمی ہوگیا حضور ﷺ نے تکلیف کی وجہ سے ہلکا سا کوڑا مارتے ہوئے فرمایا:

عبداللہ! تم نے میرا پاؤں زخمی کر دیا ہے اس سے مجھے بڑی ندامت ہوئی ہے ساری رات میں سخت بے چین رہا کہ ہائے! مجھ سے یہ غلطی کیوں ہوئی۔ صبح ہوئی تو کسی نے مجھے آواز دی کہ حضور ﷺ تمہیں بلاتے ہیں۔

مجھے اور گھبراہٹ ہوئی کہ کل کی غلطی کی وجہ سے شاید میری شامت آئی ہے۔ بہر حال میں حاضر ہوا تو حضور ﷺ نے بڑی شفقت سے فرمایا: کل تم نے میرا پاؤں کچل دیا تھا اور اس پر میں نے تم کو ایک کوڑا ہلکا سا مارا تھا اس کا مجھے افسوس ہے۔ یہ 80 بکریاں تمہیں دے رہا ہوں یہ لو اور جو تکلیف تمہیں مجھ سے پہنچی ہے اس کو دل سے نکال دو۔

(مسند دارمی باب فی سخاء النبی ﷺ)

ایک موقعہ پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف چند صحابہ کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

’’یا رسول اللہ ﷺ! ہم مشرک تھے تو معزز تھے اور کوئی ہماری طرف آنکھ تک نہیں اٹھا سکتا تھا لیکن جب سے مسلمان ہوئے ہیں کمزور اور ناتواں ہوگئے ہیں اور ہم کو ذلیل ہو کر کفار کے مظالم سہنے پڑتے ہیں۔ پس یارسول اللہ ﷺ آپ ہم کو اجازت دیں کہ ہم ان کفار کا مقابلہ کریں۔‘‘

آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنِّیۡ اُمِرۡتُ بِالۡعَفۡوِفَلَاتُقَاتِلُوۡا

یعنی مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عفو کا حکم ہے پس میں تم کو لڑنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

ایک دفعہ زینب نامی ایک یہودی عورت نے بکری کی ران کے گوشت میں نہایت سریع الاثر زہر ملا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھجوایا۔ پہلا نوالہ منہ میں ڈالتے ہی آپ ﷺ کو اس میں زہر کی موجودگی کا احساس ہوگیا۔ رسول کریم ﷺ نے اس عورت کو بلایا اور پوچھا کہ تم نے اس گوشت میں زہر کیوں ملایا تھا۔ وہ عورت کہنے لگی۔ ہم نے سوچا اگر آپ سچے نہیں تو آپ سے نجات مل جائے گی اور اگر سچے ہیں تو زہر آپ پر اثر نہیں کرے گا۔ اب مجھ پر کھل گیا کہ آپ سچے ہیں اور میں یہاں موجود سب لوگوں کو گواہ ٹھہرا کر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتی ہوں۔ رسول کریم ﷺ نے اس عورت کو کمال شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے معاف فرمادیا۔ آپ نے اپنی ذات کے لئے انتقام لینا پسند نہ فرمایا حالانکہ آخری عمر تک اس زہر کے اثر سے آپ تکلیف محسوس کرتے رہے۔ روایات میں آتا ہے کہ جب آپ آخری بیماری میں آخری سانس لے رہے تھے تو حضرت عائشہ سے فرمانے لگے:

’’اے عائشہ! میں اب تک اس زہر کی اذیت محسوس کرتا رہا ہوں جو خیبر میں یہودی عورت نے مجھے دیا تھا اور اب بھی میرے بدن میں اس زہر کے اثر سے تکلیف اور جلن کی کیفیت ہے۔‘‘

مکہ میں ایک دفعہ شدید قحط پڑ گیا اور مکہ کے لوگ غذا اور غلہ کی قلت کے باعث شدید تکلیف کا شکار تھے۔ خصوصاً غرباء کا تو برا حال تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے سخت دشمن تھے اور جنہوں نے ہمارے پیارے آقا ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو شدید تکالیف میں مبتلا رکھا تھا لیکن آنحضرت ﷺ اپنے دشمنوں کو تکلیف میں دیکھ کر بے چین ہو جاتے ہیں۔ اپنے مولیٰ سے ان کی تکلیف کے دور ہونے کے لئے صرف دعا ہی نہیں کرتے بلکہ ان جانی دشمنوں کی مالی امداد بھی کرتے ہیں اور کچھ چاندی ان کے لئے بھجواتے ہیں۔

جنگ بدر میں کافروں کو ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور 70 قیدی پکڑے گئے۔ یہ وہ لوگ تھے جو مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے اور مکہ سے دور صرف اس مقصد کے لئے آئے تھے کہ مسلمانوں کی بیخ کنی کی جائے۔ اب مسلمانوں کے پاس موقع تھا کہ ان دشمنوں سے ان کی زیادتیوں کا گن گن کا بدلہ لیتے۔ لیکن نہ ان سے بدلہ لیا جاتا ہے اور نہ انہیں ظلم کا نشانہ بنایا جاتا ہے بلکہ اس کے برعکس دربار نبوی سے یہ حکم صادر ہوتا ہے کہ ان قیدیوں کے ساتھ نرمی اور شفقت کا سلوک کیا جائے اور ان کے آرام کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔ صحابہ رسول جو اپنے آقا کی طرف سے آنے والے ہر حکم اور نصیحت پر عمل کرنا اپنی سعادت سمجھتے تھے اس شان کے ساتھ اس حکم پر عمل کرتے ہیں کہ تاریخ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ایک قیدی ابوعزیز بن عمیر کی روایت ہے:

آنحضرت ﷺ کے حکم کی وجہ سے انصار مجھے تو پکی ہوئی روٹی دیتے تھے لیکن خود کھجور وغیرہ کھا کر گذارہ کر لیتے تھے اور کئی دفعہ ایسا ہوتا تھا کہ ان کے پاس اگر روٹی کا چھوٹا ٹکڑا بھی ہوتا تھا تو وہ مجھے دے دیتے تھے اور خود نہیں کھاتے تھے اور اگر میں کبھی شرم کی وجہ سے واپس کر دیتا تو وہ اصرار کے ساتھ پھر مجھ کو دے دیتے تھے۔

ذرا غور فرمائیں۔ ایک ایسا معاشرہ جہاں جنگی قیدیوں کو قتل کر دینے یا مستقلاً قید کر لینے کا رواج ہو۔ جہاں قیدیوں کے ساتھ ظالمانہ سلوک ان کے دستور کا حصہ ہو اور مزید یہ کہ حضرت عمر جیسے کبار صحابی ان قیدیوں کے قتل کے حامی بھی ہوں۔ ان ساری باتوں کے باوجود ہمیں رحمت عالم حضرت محمد ﷺ کا خلق عفو اس شان کے ساتھ ظہور میں آتا نظر آتا ہے کہ آپ ان قیدیوں کو نہ صرف فدیہ لیکر رہا کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں بلکہ ان کے ساتھ نرم اور پر شفقت سلوک کی نصیحت بھی فرماتے ہیں۔

ان قیدیوں میں ایک شخص سہیل بن عمرو بھی تھا جو قریش کے سرداروں میں سے تھا اور اس کی زبان بہت تیز اور کلام بہت پر اثر تھا یہ آنحضرت ﷺ کے خلاف تقاریر کیا کرتا تھا۔ اب وہ قید ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ اس کے اگلے دانت نکلوا دینے چاہئیں تاکہ یہ آنحضرت ﷺ کے خلاف فتنہ انگیز تقاریر نہ کر سکے۔ آنحضرت ﷺ نے اس تجویز کو ناپسند فرمایا اور اسے معاف کر دیا اور فرمایا:

عمر تمہیں کیا معلوم کہ خدا آئندہ اسے ایسے مقام پر کھڑا کرے جو قابل تعریف ہو۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقعہ پر سہیل مسلمان ہوگیا اور آنحضرت ﷺ کی وفات پر اس نے متزلزل لوگوں کو بچانے کے لئے اسلام کی تائید میں نہایت پر اثر خطبے دیئے جس سے بہت سے ڈگمگاتے ہوئے لوگ بچ گئے۔

آنحضرت ﷺ جب طائف کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے گئے، آپ کے ساتھ زید بن حارثہ بھی تھے۔ دس دن تک آپ طائف کے رؤساء کو اسلام کا پیغام پہنچاتے رہے۔ بدقسمتی سے سب نے ہی آپ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کیا اور آپ کے ساتھ نہایت گستاخانہ اور تمسخرانہ سلوک کے بھی مرتکب ہوئے۔ اس شہر کے بدبخت رئیس عبدیا لیل نے واپسی پر شہر کے آوارہ لوگ آپ کے پیچھے لگادیئے۔ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کے پیچھے شور وغوغا کرتے رہے اور مسلسل تین میل تک آنحضرت ﷺ پر پتھر برساتے رہے۔ آپ کو اس قدر زخمی کیا کہ آپ کا سارا بدن خون سے تر بہ تر ہوگیا۔ یہ دن آنحضرت ﷺ کی زندگی کا سخت ترین دن تھا۔

آپ نے اس ضعف اور کمزوری کی حالت میں عتبہ بن ربیعہ کے باغ میں پناہ لی اور ایک سایہ میں کھڑے ہو کر یہ دعا کی:

اَللّٰھُمَّ اِلَیۡکَ اَشۡکُوۡ ضَعۡفَ قُوَّتِیۡ وَقِلَّۃَ حِیۡلَتِیۡ وَھَوَانِیۡ عَلَی النَّاسِ۔ اَللّٰھُمَّ یَا اَرۡحَمَ الرّٰحِمِیۡنَ اَنۡتَ رَبُّ الۡمُسۡتَضۡعَفِیۡنَ وَاَنۡتَ رَبِّیۡ

یعنی اے میرے رب! میں ضعف قوت اور قلت تدبیر اور لوگوں کے مقابلہ میں اپنی بے بسی کی شکایت تیرے ہی پاس کرتا ہوں۔ اے میرے خدا! تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے اور کمزوروں اور بے کسوں کا تو ہی نگہبان اور محافظ ہے اور تو ہی میرا پروردگار ہے۔۔۔۔

عرش کے خدا نے آپ کی فریاد کو شرف قبولیت بخشا۔ اس کی غیرت اپنے نبی کے لئے حرکت میں آئی اور اس نے پہاڑوں کا فرشتہ آپ کے پاس بھیجا کہ اگر نبی کریم ﷺ اجازت دیں تو اس ظالم بستی کے لوگوں کو دو پہاڑوں کے درمیان رکھ کر ملیا میٹ کر دیا جائے۔

کوئی اور ہوتا تو ضرور اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ظالموں سے ان کے ظلم کا انتقام لیتا۔ لیکن اس خلیق اور رحیم رسول ﷺ کے حیرت انگیز عفو کی شان تو ذرا ملاحظہ فرمائیں۔ آپ اس ظاہر ہونے والے فرشتے کو فرماتے ہیں کہ نہیں نہیں ان لوگوں کو تباہ نہیں کرنا۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے ایسے لوگ پیدا کردے گا جو خدائے واحد کی عبادت کرنے والے ہوں گے۔

عبداللہ بن ابی بن سلول منافقین کا سردار تھا۔ بظاہر تو یہ ایمان لانے کا دعویٰ کرتا تھا لیکن اس کا دل ایمان کی دولت سے خالی تھا۔ یہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ سخت کینہ اور بغض رکھتا تھا۔ جہاں بھی اسے موقع ملتا یہ اسلام اور آنحضرت ﷺ سے اپنی نفرت کا اظہار کرتا اور اپنے قول وفعل سے اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا۔ اس کی فتنہ انگیزی سے سب مسلمان واقف تھے۔ رحمت عالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اس کی گستاخیوں اور شوخیوں کو کمال صبر سے برداشت کیا اور ہمیشہ ہی صرف نظر فرماتے رہے۔

ایک جنگ کے موقعہ پر تو اس نے گستاخی میں حد ہی کر دی اور نبی کریم ﷺ کو نَعُوۡذُبِاللّٰہِ مدینہ کا ذلیل ترین شخص قرار دیا اور اپنے بارے میں یہ تعلّی کی کہ وہ مدینہ کا معزز ترین شخص ہے اور یہ کہ وہ آنحضرت ﷺ کو مدینہ سے نکال دے گا۔ اس بات کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ المنافقون میں ان الفاظ میں کیا ہے:

یَقُوۡلُوۡنَ لَئِنۡ رَّجَعۡنَاۤ اِلَی الۡمَدِیۡنَۃِ لَیُخۡرِجَنَّ الۡاَعَزُّ مِنۡہَا الۡاَذَلَّ

اس کی اس گستاخانہ حرکت نے صحابہ کے دلوں کو زخمی کر دیا۔ وہ چاہتے تھے کہ اس گستاخ رسول کو اس کی گستاخی کی سزا ملنی چاہئے۔ بعض ان میں سے اس کے قتل کا ارادہ کرنے لگے یہاں تک کہ عبداللہ کا اپنا بیٹا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے باپ کو اس حماقت کی پاداش میں قتل کرنے کی اجازت چاہی۔ لیکن قربان جائیں ہم اس پاک اور مقدس ہستی کے جس کا عفو بے مثل تھا۔ آپ نے نہ صرف یہ کہ عبداللہ کو سزا دینے کی اجازت نہیں دی بلکہ بدستور اس کے ساتھ رحمت، شفقت اور احسان کا سلوک فرماتے رہے۔ جب وہ فوت ہوا تو آپ نے اپنی قمیص اس کے کفن کے لئے عنایت فرمائی اور باوجود حضرت عمر کی مخالفت کے اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے تشریف لے گئے۔

اپنی توہین کرنے والے عبداللہ کے ساتھ آپ کا یہ سلوک جہاں ایک طرف آپ کی بے انتہا رحمت کا آئینہ دار ہے وہاں دوسری طرف ہمارے لئے مشعل راہ بن کر ہماری راہنمائی کر رہا ہے۔ کتنے ہی بدقسمت ہیں وہ لوگ جو آنحضرت ﷺ کے اس حسین اسوہ کو اپنانے کے بجائے محاربانہ کارروائیوں کے ذریعہ ہمارے پیارے آقا حضرت محمد ﷺ کے مقدس نام کو بدنام کرنے کی مذموم حرکتیں کر رہے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے مکہ پر چڑھائی کے ارادے کو بعض حکمتوں کی بناء پر خفیہ رکھا ہوا تھا اور اس کے لئے خاموشی سے تیاری ہو رہی تھی۔ اس دوران ایک صحابی حاطب بن بلتعہ نے مکے جانے والی ایک عورت کے ذریعہ قریش کو خط لکھ کر یہ اطلاع بھجوادی کہ آنحضرت ﷺ کا لشکر تیار

ہے یہ معلوم نہیں کہاں کا قصد ہے مگر تم اپنا بچاؤ کر لو اور میرا مقصد اس خط سے تم پر ایک احسان کرنا ہے۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی رسول اللہ ﷺ کو اس مخبری کی اطلاع کر دی۔ آپ نے گھوڑسواروں کا ایک دستہ حضرت علی کی سرکردگی میں اس عورت کے تعاقب میں بھیجا اور وہ یہ خط واپس لے آئے۔ اب رسول کریم ﷺ نے حاطب کو بلا کر پوچھا تم نے یہ کیا کیا؟ حاطب نے سچ سچ کہہ دیا کہ یا رسول اللہ میں قریش میں سے نہیں ہوں مگر اس خط کے ذریعے میں قریش پر احسان کرنا چاہتا تھا تا کہ وہ مکے میں میرے گھر بار کی حفاظت کریں۔

حضرت عمر اس مجلس میں موجود تھے۔ اُنہوں نے کہا:

یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ مگر جانتے ہو وہ رحیم و کریم رسول ﷺ کیا جواب دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

نہیں نہیں۔ حاطب سچ کہتا ہے اسے کچھ نہ کہو۔

حضرت عمر نے عرض کیا:

یا رسول اللہ ﷺ! اس نے مومنوں کے ساتھ خیانت کی ہے مجھے اس کی گردن مارنے دیجئے۔ آپ نے کمال شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ عمر تم جانتے نہیں یہ شخص جنگ بدر میں شامل ہوا تھا اور عرش کا خدا جو اصحاب بدر کے حالات سے خوب واقف ہے ان کے حق میں فرماتا ہے۔ اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ فَقَدۡ وَجَبَتۡ لَکُمُ الۡجَنَّۃُ کہ جو چاہو کرو تمھارے لئے جنت واجب ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے بدریوں کے دلوں میں گناہ کی ایسی نفرت ڈال دی ہے کہ بالارادہ ان سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوسکتا۔

اس رؤوف و رحیم رسول ﷺ کی شفقت بے پایاں کا یہ حیرت انگیز نظارہ دیکھ کر حضرت عمر بے اختیار رونے لگے۔ ان کی حیرانی بجا تھی کہ اپنی زندگی کے اہم، نازک ترین اور تاریخ ساز موڑ پر کوئی بھی فاتح اپنے مقصد کی راہ میں حائل کسی بھی روک کو قطعاً برداشت نہیں کیا کرتا۔ ایسے مواقع پر تو سابقہ خدمات کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی اور آئندہ خطرے سے بچنے کے لئے کم از کم احتیاط یہ سمجھی جاتی ہے کہ ایسے قومی مجرم کو زیر حراست رکھا جائے۔ لیکن دیکھو اس دربار عفو و کرم کی شان تو دیکھو جس سے حاطب کے لئے بھی مکمل معافی کا اعلان جاری ہوا۔

ابوسفیان قریش کے سرداروں میں سے تھا اور اسلام کا سخت دشمن تھا مسلمانوں کے خلاف اس کے جرائم کی فہرست بہت لمبی تھی۔ یہ ابوسفیان ہی تھا جو غزوہ احد کے موقع پر اُعۡلُ ھُبَل اُعۡلُ ھُبَل اور لَنَا عُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمۡ کے نعرے لگاتا تھا۔ فتح مکہ سے قبل جب حضرت عمر کی سرکردگی میں مسلمانوں کا ایک دستہ گشت کر رہا تھا تو انہوں نے ابوسفیان کو پکڑ لیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت عمر نے اس دشمن اسلام کو قتل کرنا چاہا لیکن آنحضرت ﷺ تو اس کے لئے پہلے سے امن کا اعلان کر چکے تھے کہ ابوسفیان بن حرب کسی کو ملے تو اسے کچھ نہ کہا جائے۔

آپ فاتحین عالم کے اس دستور سے واقف ہوں گے جس کا نقشہ قرآن کریم میں یوں بیان ہوا ہے:

قَالَتۡ اِنَّ الۡمُلُوۡکَ اِذَا دَخَلُوۡا قَرۡیَۃً اَفۡسَدُوۡہَا وَجَعَلُوۡۤا اَعِزَّۃَ اَہۡلِہَاۤ اَذِلَّۃً ۚ وَکَذٰلِکَ یَفۡعَلُوۡنَ۔

(النمل: 35)

کہ شہروں میں داخلے کے وقت آبادیوں کو ویران اور ان کے معزز مکینوں کو بے عزت اور ذلیل کر دیا جاتا ہے۔ تاریخ عالم کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ فاتحین کے ہاتھوں مفتوح قوم کو ذلیل کیا گیا۔ ان کے گھروں اور قلعوں کو مسمار کر دیا گیا۔ ان کے اموال اور جائیدادوں کو بے دریغ لوٹا گیا۔ کہیں ہمیں انسانی کھوپڑیوں کے مینار دکھائی دیتے ہیں تو کہیں دلوں کو ہلا دینے والی ظلم و بربریت کی داستانیں سننے کوملتی ہیں۔ فاتحین عالم کے برعکس فتح مکہ کے موقع پر ہمیں آنحضرت ﷺ کے خلق کی وہ عظیم الشان فتح نظر آتی ہے جو مفتوح قوم کے ساتھ حسن سلوک، عفو، رحم اور احسان سے عبارت ہے۔ اس دن نہ کسی کو ہلاک کیا گیا اور نہ ہی کھوپڑیوں کے مینار بنائے گئے ہاں اس دن ہمیں ایسے پر شوکت مینار نظر آتے ہیں جو آنحضرت ﷺ کے عفو عام اور رحمت تام سے روشن کئے گئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے تو اپنے بھائیوں کو معاف کیا تھا لیکن ہمارے آقا و مولی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے خون کے پیاسے دشمنوں کے ناقابل معافی جرائم سے درگزر کرتے ہوئے عام معافی کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا۔ اِذۡھَبُوۡا فَاَنۡتُمُ الطُّلَقَآءُ لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ کہ جاؤ تم آزاد ہو آج تم پر کوئی گرفت نہیں۔

یہ فتح دراصل آپ کے اخلاق کی فتح تھی جس نے آپ کے اہل وطن کے دل جیت لئے۔ اس موقع پر دس ایسے اشخاص تھے جن کے بھیانک جرموں کی بناء پر انہیں آنحضرت ﷺ نے واجب القتل قرار دیا تھا۔ ان میں سے جو بھی آنحضرت ﷺ کے دربار میں معافی کا طالب بن کر آیا اسے معاف کر دیا گیا۔

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح جب حضرت عثمان کی پناہ میں آ کر معافی کا طالب ہوا تو اسے معاف کر دیا گیا۔ وہ مسلمان ہو گیا لیکن اپنے سابقہ جرموں کی وجہ سے شرمندہ تھا اور آنحضرت ﷺ کے سامنے آنے سے کتراتا تھا۔ اس رحیم و کریم اور بلند حوصلہ رسول نے اسے محبت بھرا پیغام بھجوایا کہ اسلام اس سے پہلے کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔

ان واجب القتل لوگوں میں سے ایک حبار بن الاسود بھی تھا جو کہ آپ ﷺ کی پیاری صاحبزادی حضرت زینب کا قاتل تھا۔ جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور رحم کی بھیک مانگتے ہوئے عرض کیا کہ آپ کے عفو اور رحم کا خیال مجھے آپ کے پاس لایا ہے۔ عفو و رحم کے پیکر نے اپنی بیٹی کے قاتل سے درگزر فرمایا اور کمال حوصلے سے اس کو معاف کر دیا۔

عکرمہ بن ابی جہل جو ساری زندگی آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو تنگ کرتا رہا۔ آپ پر جنگیں مسلط کیں۔ مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے روکا۔ صلح حدیبیہ کو توڑنے میں اہم کردار ادا کیا۔ فتح مکہ کے موقع پر امن کے عام اعلان کے باوجود ہتھیار نہ ڈالے اور حرم میں خون ریزی کا مرتکب ہوا۔ جب آپ کے دربار میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے نہ صرف اس کو معاف فرما دیا بلکہ آپ دشمن قوم کے اس سردار کے احترام کے لئے کھڑے بھی ہو گئے۔ اور اس پر شفقت فرمائی۔ وہ آپ کے اس حسن سلوک کی وجہ سے بے اختیار کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور بقیہ ساری عمر اسلام کی خدمت میں گزار دی۔

حضرت حمزہؓ کو شہید کرنے والے وحشی اور اسی طرح حضرت حمزہ کا کلیجہ چبانے والی ہندہ کو بھی آنحضرت ﷺ نے عالی ظرف کا مظاہرہ کرتے ہوئے معاف فرما دیا۔ اور یوں ہمیشہ کے لئے ان کے دل جیت لئے۔ اور آپ کی فتح بھی دراصل دلوں کی ہی فتح تھی۔ ایسا عفو و درگزر کا نمونہ کہ جس کی مثال تاریخ عالم سے ملنا ممکن نہیں۔

معاشرتی زندگی میں باہم پیار و محبت اور اُخوّت و بھائی چارے کی فضا کے قیام کیلئے عفو و درگزر نہایت درجہ اہم خُلق ہے۔ اِس کے مطلب اور مفہوم کے علاوہ اِس کے بارے میں قرآنِ کریم سے ارشاداتِ ربانی آپ کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ اِسی طرح ہمارے پیارے آقا و مولا حضرت محمد مُصطفٰے احمد مجتبیٰ ﷺ کی سیرتِ طیبہ سے آپ کے اُسوہ حسنہ کی چند مثالیں بھی پیش کی گئیں۔ اِن کی روشنی میں جب ہم اپنا اپنا جائزہ لیتے ہیں اور اپنا محاسبہ کرتے ہیں تو ہمیں اپنے عمل میں بہتری کی بہت گنجائش نظر آتی ہے۔ ہم نے سنا کہ آپ ﷺ تو اپنے جانی دشمنوں تک کو بھی معاف کر دیا کرتے تھے لیکن ہم میں سے بعض اپنے نہایت قریبی بلکہ رحمی رشتے داروں تک کے قصور معاف کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ بڑے دکھ اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ ایک ہی ماں کا دودھ پینے والے اور ایک ہی صحن میں کھیلنے والے بعض بہن بھائیوں کی آپس میں رنجشیں اور ناراضگیاں چل رہی ہیں اور سالہا سال سے آپس میں قطع تعلق کئے بیٹھے ہیں۔ پس ضرورت اِس امر کی ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو معاف کریں اور درگزر سے کام لیں۔ اپنا حق چھوڑ دیں لیکن اپنے بھائی کو اپنے حق کیلئے نہ چھوڑیں۔ خود سے کوئی غلطی ہو جائے تو معذرت کر لیں اور معافی مانگ لیں۔ دوسرا معافی کا طلب گار ہو تو کھلے دل سے اُسے معاف کر دیں۔ اِس عظیم خُلق کے حوالے سے کسی نے کیا خوب کہا ہے:

نُسخہ بڑا ہے کیمیا یہ آزمانا چاہئے
جنگ ہو اپنوں سے گر تو ہار جانا چاہئے
عفو اور درگزر کرنا سنّتِ ابرار ہے
معاف کرنا اور غصے کو دبانا چاہئے
دل کو اپنے صاف کر کے اور ضد کو چھوڑ کر
گر کوئی چاہے منانا، مان جانا چاہئے
اپنے حق کی ہی طلب رکھنا کوئی خوبی نہیں
فرض اپنا جان کر رشتہ نبھانا چاہئے
پھول الفت کے سارے اور کہتا ہے
حریمل کے باغیچے میں اِن کو بھی لگانا چاہئے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِن نصائح پر عمل کرنے کی کماحقہ توفیق عطا فرمائے۔

آپ علیہ السلام اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’خدا چاہتا ہے کہ تمہاری ہستی پر پورا پورا انقلاب آوے اور وہ تم سے ایک موت مانگتا ہے جس کے بعد وہ تمہیں زندہ کرے گا تم آپس میں جلد صلح کرو اور اپنے بھائیوں کے گناہ بخشو۔ کیونکہ شریر ہے وہ انسان کہ جو اپنے بھائی کے ساتھ صلح پر راضی نہیں وہ کاٹا جائے گا کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے تم اپنی نفسانیت ہر ایک پہلو سے چھوڑ دو اور باہمی ناراضگی جانے دو اور سچے ہو کر جھوٹوں کی طرح تذلل اختیار کرو تا تم بخشے جاؤ۔ نفسانیت کی فربہی چھوڑ دو کہ جس دروازہ سے تم بلائے گئے ہو اس میں سے ایک فربہ انسان داخل نہیں ہوسکتا۔ کیا ہی بدقسمت ہے وہ شخص جو ان باتوں کو نہیں مانتا جو خدا کے منہ سے نکلیں اور میں نے بیان کیں۔ تم اگر چاہتے ہو کہ آسمان پر تم سے خدا راضی ہو تو تم باہم ایسے ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ سے دو بھائی۔ تم میں سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ اپنے بھائی کے گناہ بخشتا ہے اور بدبخت ہے وہ جو ضد کرتا ہے اور نہیں بخشتا۔ سو اس کا مجھ میں حصہ نہیں۔‘‘

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 12)

مرسلہ: صفیہ سامی۔ یوکے

سائنس میگزین۔ ایڈیٹر جناب قاسم محمود کی نظر کا مبہوت کُن واقعہ

تحریر: بشیر الدین احمد سامی (مرحوم)

ڈاکٹر عبد السلام صاحب کو حضرت اباجی سردار مصباح الدین صاحب کے ساتھ جو عقیدت تھی اس کی ایک جھلک اس مبہوت کُن واقعہ میں نظر آتی ہے جس کا ذکر پاکستان کے رسالہ ''سائنس میگزین'' کے معروف ایڈیٹر جناب قاسم محمود صاحب نے پرل کانٹی نینٹل ہوٹل میں ڈاکٹر عبد السلام صاحب کی سائنس کے میدان میں خدمات اور کارہائے نمایاں پر اپنے خطاب میں کیا۔ یہ واقعہ فلم بند بھی ہوا اور مسلم احمدیہ ٹیلیویژن پر دکھایا گیا۔

جناب قاسم صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''ڈاکٹر صاحب کا لاہور سے فون آیا کہ آپ میری ہمشیرہ کے گھر پہنچ جائیں۔ پتہ آپ اُن سے خود پوچھ لیں۔ گلیوں میں مکان تھا جس کے دروازے پر پردہ لٹک رہا تھا۔ کچھ مشتاق حضرات ڈاکٹر صاحب سے ملنے کے لئے موجود تھے۔ جس کمرے میں ہم بیٹھے ہوئے تھے، بیٹھک کہنا چاہئے جو ہمارے متوسط طبقہ میں ہوا کرتا ہے۔ دیواروں پر قرآن کریم کے خوبصورت طغرے آویزاں تھے۔ لیجئے! ڈاکٹر صاحب کی سواری آ گئی لیکن وہ بیٹھک میں نہیں آئے جہاں ہم سب بیٹھے ہوئے تھے۔ اُنہیں چپکے سے ساتھ والے بغلی کمرے میں لے جایا گیا۔ دونوں کمروں کے درمیان کواڑ تھے اور بند تھے۔ پھر بھی ایک تھوڑی سی جھرّی رہ گئی تھی۔ خواہ مخواہ میری نظریں اس طرف کو جمی ہوئی تھیں۔ ایک اُونچی سی کرسی پر ایک بُت رکھا ہوا تھا۔ سر پر پگڑی، لمبی سفید داڑھی۔ میں نے سمجھا کہ یہ بُت مرزا صاحب کا ہی ہو سکتا تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب جھک کر اُوتار کی قدم بوسی کر رہے ہیں۔ کسی نے کواڑ بند کر دیا اور میں خفیف سا ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ جو خیالات میں ڈاکٹر صاحب کے لئے رکھتا تھا وہ بت پرستی سے بُری طرح متزلزل ہو گئے گویا دنیا ہی بدل گئی۔ ڈاکٹر صاحب اپنی ہمشیرہ، بھانجی، بھانجیوں سے مل کر بیٹھک میں آئے۔ اُن کی مہربانی انہوں نے سب سے پہلے مجھے ہی قریب بلایا اگرچہ میں اندر سے کُھلا (کھولا) ہوا تھا۔ میں نے جلدی سے اجازت لی اور وہاں سے اُٹھ آیا۔ میں نے وہ رات کانٹوں پر بسر کی۔ کتنا عظیم انسان جو بات بات پر قرآن کریم کے حوالے دیتا ہے۔ بُت پرست ہو سکتا ہے، سمجھ میں نہ آئے۔ دوسرے دن مجھ سے رہا نہ گیا، اور میں نے اُن کی ہمشیرہ کو فون کیا، اور وہ بہت خوشی سے پیش آئیں۔ وہ بہت خوش تھیں کہ ان کے بھائی جان نے غریب نوازی کی تھی اور عرصہ دراز کے بعد ان کے گھر آئے تھے ورنہ پہلے باہر ہی ہوٹلوں میں ٹھہر کر چلے جاتے تھے۔ کہنے لگیں کہ میرا بھائی بہت خوش خوراک ہے میں نے اُن کی پسند کی تین ڈشیں بنائی تھیں لیکن آپ بہت جلدی چلے گئے۔

میں نے جسارت کر لی کہ بتائیں ہمارے کمرہ میں آنے سے پہلے ڈاکٹر صاحب بغلی کمرہ میں کس کے پاس گئے تھے۔ کہنے لگیں یہ ایک بہت ہی ذاتی سی بات ہے سختی سے منع کر رکھا ہے مگر آپ نے پوچھا ہے تو بتا دیتی ہوں۔ یہ اُن کے اسکول کے زمانے کے آخری اُستاد ہیں جو بقیدِ حیات ہیں 80 یا 85 سال کے تو ہونگے باقی سب اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ کیا بتاؤں بھائی جان اپنے اُستادوں کی اتنی عزت کرتے ہیں کہ کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ بھائی جان کو انہوں نے چھوٹی کلاسوں میں پڑھایا ہے۔ پتہ نہیں فارسی، عربی، تاریخ یا جغرافیہ پڑھایا ہے۔ مجھے معلوم نہیں پہلے وہ چنیوٹ ضلع جھنگ میں رہتے تھے جب مصروفیت اجازت دیتی تھی ڈاکٹر صاحب ان سے ملنے چنیوٹ چلے جاتے تھے۔ پھر مصروفیت زیادہ بڑھیں تو انہیں کراچی بلوالیا ہے اور کورنگی میں ایک کوارٹر لے دیا ہے۔ حسبِ توفیق خدمت کرتے رہتے ہیں اپنے استاد کی قدم بوسی کے لئے وہ خود کراچی آتے جاتے ہیں۔ ان کے حضور پیش ہوتے ہیں۔ لیکن کل صبح بھائی جان نے لاہور سے ٹیلیفون کیا تھا کہ ماسٹر صاحب کو کورنگی سے ایسی گاڑی بھجوا کر بلوالوں جس میں انہیں کوئی تکلیف نہ ہو۔ اس لئے ہم نے گاڑی بھجوا کر انہیں بلوا لیا وہ بس پانچ منٹ میں واپس چلے گئے تھے۔ میں کیا بتاؤں میرا بھائی فرشتہ ہے فرشتہ!!''

جناب قاسم محمود صاحب نے جب اپنا مبہوت کُن واقعہ ختم کیا تو سامعین نے بھرپور تالیوں سے ڈاکٹر صاحب کی عظمت اور سعادت مندی کی جی بھر کر داد دی۔ اس جاندار واقعہ کے سفید پگڑی اور سفید لمبی داڑھی والے مرکزی کردار محترم سردار مصباح الدین صاحب تھے جن کا ڈاکٹر صاحب بے حد احترام کرتے تھے۔ یہاں اس بات کا بھی ذکر کر دینا ضروری ہے کہ جناب قاسم محمود صاحب کی نظروں نے ایسا دھوکہ کیوں کھایا جس سے ان کے خیالات ڈاکٹر صاحب کے لئے متزلزل ہوئے۔ امر واقعہ یہ تھا کہ حضرت سردار صاحب کے کولھے کی ہڈی اس بُری طرح ٹوٹ چکی

تھی کہ باوجود آپریشن کے وہ اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہو سکتے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ وہیل چیئر استعمال کرنے لگے تھے۔ ادھر کان کی شنوائی بھی بُری طرح متاثر تھی جس کی وجہ سے کان کے ساتھ منہ لگا کر ہی بات ہو سکتی تھی اور وہ بھی بہت مشکل کے ساتھ۔ ان کی وہیل چیئر اونچی سطح کی تھی وہ ہمیشہ سفید پگڑی پہنتے تھے، سفید داڑھی اور سفید قمیص شلوار۔ ڈاکٹر صاحب جو انتہائی مصروفیت کے عالم میں تھے اور کسی اگلی ہی فلائٹ سے واپس جانے والے تھے ان کی سعادت مندی کی انتہا تھی کہ انہوں نے اپنے اس بزرگ کو پہلے ملنا پسند فرمایا تا کہ چند ساعت ہی سہی وہ ان سے مل سکیں۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی اُن کے ساتھ آخری ملاقات تھی۔ جس کے لئے ڈاکٹر صاحب کو یقیناً جھکنا پڑا اور خیریت معلوم کرنے اور دعا کہنے کے لئے کانوں کے قریب ہونا پڑا۔ یہ وہ نظارہ تھا جس کو ایک اجنبی ایک چھوٹی سی جھرّی میں سے دیکھ کر غلط فہمی میں پڑ گیا۔ بزرگوں کا احترام در اصل ڈاکٹر صاحب کی گھٹی میں ہی تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل کے بعد ڈاکٹر صاحب کے خطوط سے ان کے عجز و اخلاص کا اظہار اپنی جگہ ہے۔

ڈاکٹر عبد السلام صاحب 19 اکتوبر 1979ء کے عریضہ میں والد بزرگوار سردار صاحب کو تحریر فرماتے ہیں:

'' گرامی قدر زاد عنایتکم! آپ کا خط پڑھ کر رقت طاری ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے وجود بھی پیدا کئے ہیں جو محض اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔ یہ احمدیت اور اسلام کا اثر ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر اور صحت میں برکت دے اور آپ جیسی ہستیاں اس سلسلہ میں پیدا ہوں جو محض اللہ کی خاطر اس قدر محبت اور شفقت اپنے دل میں رکھتی ہیں۔''

ڈاکٹر عبد السلام صاحب اپنے ایک اور خط مورخہ 20 جولائی 1982ء میں تحریر فرماتے ہیں:

'' گرانقدر سردار صاحب! آپ کا عزیزم رشید کے نام ابھی ابھی خط ملا۔ آپ کی بیماری کا انتہائی صدمہ ہوا، اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔ حضرت چوہدری صاحب کی طرح آپ کے فیضان اور دعا کی توفیق کو سلامت رکھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے بارے میں آپ کا فرمان درست ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

'' آفتاب نصف النہار پر آیا ہوا، اچانک غروب ہو گیا۔''

بشیر الدین سامی

نوٹ از صفیہ سامی

خاکسار عرض کرتی ہے کہ یہ جو تین فوٹو گراف ہیں محترم ڈاکٹر عبد السلام صاحب کی کراچی میں اُس وقت کی ہیں جب محترم ڈاکٹر عبد السلام

کی ہمشیرہ کے گھر قاسم محمود صاحب کی جس ملاقات کا ذکر ہے۔ جب حضرت سردار مصباح الدین صاحب کے ساتھ ملاقات کرتے ہوئے اُن کے پوتے مزمل مجتبیٰ (جو سامی صاحب کے بڑے بھائی عبد السبحان مرحوم کے بیٹے ہیں) نے مجھے بھیجی ہیں۔ یہ غالباً 1987ء یا 1988ء کی ہیں۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔ جو ان تصویروں کے ساتھ درج ہے۔ مزمل جو تصویروں میں بچہ ساتھ کھڑا ہے وہ لکھتا ہے:

میں نے اپنی زندگی کا ایک بہت ہی خوبصورت عقیدت مندی کا مظاہرہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا تھا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ وہ یوں تھا کہ:۔

ڈاکٹر صاحب نے اباجی کو سواری بھیج کر اپنی بہن کے گھر بلوایا تھا۔ جہاں بہت سارے نیوز رپورٹر کیمرہ مین وغیرہ بھی ملاقات کے لئے آئے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ اُن کے سیکرٹری بھی تھے۔ آپ نے اُن سے کہا میں پہلے محترم سردار صاحب کو ملوں گا بعد میں باقی سب سے ملا قات ہوگی۔ یہ ایک لمبی ملاقات تھی جو ڈاکٹر صاحب کی درخواست پر اُن کی ہمشیرہ کے گھر صرف دعا کی غرض کے لئے ہوئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے اباجی کو فرمایا کہ وہ کسی اور نئے پروجیکٹ پر کام کر رہے ہیں اور اگر وہ اس کام میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو ایک اور نوبل پرائز کے حق دار بن جائیں گے۔ پھر ہم نے ایک ساتھ لنچ کیا اور دوران لنچ اُنہوں نے اپنی ایک خواہش کا اظہار بھی کیا کہ وہ پاکستان میں Scientific society بنانا چاہتے ہیں اور ساتھ ہی کہنے لگے کہ ان مولویوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے کہ وہ اس پروجیکٹ کی مخالفت نہ کریں۔ پھر مزمل لکھتے ہیں۔ کہ میں نے ڈاکٹر صاحب کو بتایا کہ یہاں پاکستان میں T.V پر نیلام گھر طارق عزیز صاحب کا پروگرام ہوتا ہے جس میں General knowledge کے سوال ہوتے ہیں۔ اُن میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ ’’کون سے مسلم سائنسدان ہیں جن کو نوبل انعام ملا ہے؟‘‘ جس کے جواب میں آپ کا نام لیا گیا۔ جس پر محترم ڈاکٹر صاحب کو اس بات کی بے حد خوشی ہوئی کہ اُن کو مسلم کہا گیا۔

پھر حضرت اباجی (دادا جی) سے ڈاکٹر صاحب نے دعا کی درخواست کی کہ میرے ہاتھ کے انگوٹھے میں شدید درد رہتی ہے جس سے مجھے لکھنے میں بہت دقت پیش آتی ہے اِس پر اباجی کافی دیر اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دعا کرتے رہے۔

پھر ڈاکٹر صاحب نے میری تعلیم کے بارے میں پوچھا۔ اباجی (دادا جی) نے ڈاکٹر صاحب کو بتایا مزمل میرا پوتا میری بہت خدمت کرتا ہے میری ٹانگ میں Fracture کی وجہ سے مجھے یہ بچہ گود میں اُٹھا کر ہر جگہ لے کر جاتا ہے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے سو 100 روپے مجھے تحفۃً دیے اور کہا اپنی تعلیم کی کوئی ضرورت پوری کر لینا۔ پھر اُنہوں نے اپنے سیکرٹری سے پوچھا کہ یہاں کراچی میں سب سے اچھا ہوسپیٹل کون سا ہے اُن کا جواب تھا آغا خان یونیورسٹی ہوسپیٹل اس پر ڈاکٹر صاحب نے اباجی (دادا جی) کو آغاخان ہوسپیٹل میں داخل کروایا اور اُن کی ٹانگ میں جو راڈ ڈالی ہوئی تھی اُس کو نکلوا دیا جس کی وجہ سے اُن کو بہت تکلیف تھی اور اب اُس راڈ کو نکال دینے سے اباجی (دادا جی) کو بہت سکون ملا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

میرے لئے یہ خوشگوار واقعہ ہمیشہ یاد گار بن کر رہے گا اور اس سارے وقت میں میں نے لاؤڈ سپیکر کا کام بھی کیا کیوں کہ اباجی بہت اُونچا سُنتے تھے میں دونوں کے درمیان پیغامبر بنا رہا۔ یہ میرے لئے ناقابلِ فراموش ملاقات تھی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

یہ مضمون میں نے لکھ کر اپنے بچوں کو دکھایا تو میرا بیٹا منیر شہزاد سامی بولا، اُمی! محترم ڈاکٹر صاحب کا ایک واقعہ میرے ساتھ بھی ایسے ہوا کہ غالباً اسلام آباد (ٹلفورڈ) میں جلسہ کا موقعہ تھا اور ڈاکٹر صاحب کی ملاقات یعنی مصافحہ کے لئے لائن لگی ہوئی تھی اور اُس لائن میں مَیں بھی لگا ہوا تھا۔ جب میری باری آئی مَیں نے اپنے ابو کا نام بتایا اور دادا ابو حضرت مصباح الدین کا تعارف کروایا تو نظریں اُٹھا کر مجھے دیکھا اور پوچھا اب سردار صاحب کا کیا حال ہے؟ وہ سائیکل سے گر گئے تھے، (مجھے اس بات کا بالکل علم نہیں تھا) پھر بھی مَیں نے جواب دیا کہ وہ ٹھیک ہیں (ڈاکٹر صاحب نے میرے ابو سے اُن کی خیریت دریافت کی) ڈاکٹر صاحب نے مجھے کہا یہاں میرے پاس بیٹھ جائیں۔ مَیں ڈاکٹر صاحب کے پاس بیٹھ گیا۔ لوگ آتے رہے اور مصافحہ کرتے ہوئے گزرتے رہے۔ ساتھ مجھے بھی دیکھتے ہونگے کہ یہ لڑکا کون ہے جو یہاں ڈاکٹر صاحب کے قرب میں بیٹھا ہوا ہے۔ میری عمر اُس وقت تقریباً 17 برس کے قریب ہوگی۔

اتنے عظیم شخص کے ساتھ یہ ملاقات میرے لئے ایک یادگار بن گئی۔ مجھے ساتھ بٹھانا یقیناً اس عظیم شخص کا اپنے استاد اور بزرگوں کے احترام کا نتیجہ تھا۔ میری کیا حیثیت تھی مَیں ایک بچہ تھا صرف اس لئے کہ مَیں اُن کے استاد کا پوتا ہوں مجھے محبت اور پیار سے اپنے قرب میں جگہ دی، مَیں یہ خوبصورت ملاقات کبھی بھی بھول نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق بخشے کہ ہم بھی اپنے بڑوں کی عزت اور چھوٹوں سے محبت کر سکیں۔ آمین ثم آمین۔

اللہ تعالیٰ نے ہماری جماعت کو اپنے فضل سے علم و عرفان میں قیادت کے ممتاز مقام پر کھڑا کیا ہے۔ ایسے عظیم لوگ پیدا ہوتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شکر گزار بنائے۔ آمین۔

آج کی دعا

رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَادْفَعْ بَلَايَانَا وَكُرُوْبَنَا وَنَجِّ مِنْ كُلِّ هَمٍّ قُلُوْبَنَا وَكَفِّلْ خُطُوْبَنَا وَكُنْ مَعَنَا حَيْثُمَا كُنَّا يَا مَحْبُوْبَنَا وَاسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا۔ اِنَّا تَوَكَّلْنَا عَلَيْكَ وَفَوَّضْنَا الْاَمْرَ اِلَيْكَ اَنْتَ مَوْلَانَا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ۔ اٰمِين۔ يَارَبَّ الْعَالَمِيْنَ

(تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد نمبر 17 صفحہ نمبر 182)

ترجمہ: اے ہمارے رب العزت! ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری بلاؤں کو دور فرما اور تکالیف کو بھی دور فرما، اور ہمارے دلوں کو ہر قسم کے غموں سے نجات بخش اور کفیل ہو ہماری مصیبتوں کا۔ اور ہمارے ساتھ ہو جہاں پر بھی ہم ہوں۔ اے ہمارے محبوب اور ڈھانپ دے ہمارے ننگ کو اور امن میں رکھ ہمارے خطرات کو۔ اور ہم نے توکل کیا تجھ پر اور ہم نے تیرے سپرد کیا اپنا معاملہ، تو ہی ہمارا آقا ہے۔ دنیا میں اور آخرت میں اور تُو ارحم الراحمین ہے قبول فرما۔ اے رب العالمین۔

یہ حضرت اقدس مرزا غلام احمد مسیح موعودؑ کی بخشش اور غم سے نجات کی عاجزانہ دعا ہے۔

آپؑ اپنے منظوم کلام میں فرماتے ہیں:

ہوئے ہم تیرے اے قادر توانا
ترے در کے ہوئے اور تجھ کو جانا
ہمیں بس ہے تیری درگاہ پہ آنا
مصیبت سے ہمیں ہر دم بچانا
کہ تیرا نام ہے غفار وہادی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

پیارے امام عالی مقام سیدنا حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جماعت کو اپنے خطبہ جمعہ مؤرخہ 10 ستمبر 2010ء کو اس دعا کے پڑھنے کی تحریک کی ہے۔

مرسلہ: مریم رحمٰن

DAILY LONDON
ALFAZL
ONLINE

www.alfazlonline.org
@alfazlonline
@alfazlonline
ONLINE EDITION Download on the App Store ANDROID APP ON Google play

اپنے مضامین، آرٹیکلز، نظمیں اور آراء درج ذیل ذرائع میں سے کسی ایک پر بھجوائیں
+44 79 5161 4020
info@alfazlonline.org

رپورٹ: انیس احمد۔ مبلغ سلسلہ سیرالیون

اجتماع مجلس اطفال الاحمدیہ و خدام الاحمدیہ کیلاہوں، سیرالیون 2021ء

مکرم انیس احمد صاحب مربی سلسلہ و استاد طاہر احمدیہ سیکنڈری سکول کیلاہوں تحریر کرتے ہیں کہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے ساتھ مؤرخہ 10اکتوبر 2021 کو مجلس اطفال الاحمدیہ و خدام الاحمدیہ کیلاہوں کو اپنا سالانہ اجتماع منعقد کرنے کی توفیق ملی، اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ۔

تیاری اجتماع

اجتماع سے چند روز قبل تیاری شروع کر دی گئی۔ اطفال اور خدام کو علمی مقابلہ جات کی تیاری کروائی گئی۔ اطفال و خدام کی میٹنگ کی گئی جس میں انہیں اجتماع کے حوالہ سے بریف کیا گیا۔ اسی طرح ایک میٹنگ اراکین عاملہ مجلس اطفال الاحمدیہ و خدام الاحمدیہ کی کی گئی اور اطفال و خدام کو بعض ذمہ داریاں سونپی گئیں جس میں مسجد کی صفائی، تیاری سٹیج، آب رسانی، اور بعض خدام کی کھانا پکوائی اور بعض کی کھانا سرو کرنے پر ڈیوٹیز لگائی گئیں تا کہ اجتماع احسن رنگ میں انجام پا سکے۔

افتتاحی تقریب

دعا اور صدقہ سے اجتماع کا آغاز کیا گیا۔ صبح 11:00 بجے سے اطفال اور خدام یونیفارم میں احمدیہ مسجد آنا شروع ہو گئے۔ 12:00 بجے تلاوت، نظم اور خدام الاحمدیہ کے عہد سے اجتماع کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ بعد ازاں حضور انور کا جلسہ سالانہ جرمنی 2021ء سے بصیرت افروز اختتامی خطاب سنوایا گیا۔ اجتماع کی افتتاحی تقریب احمدیہ مسجد کیلاہوں میں منعقد ہوئی۔

علمی مقابلہ جات

اطفال و خدام کو تین گروپس ناصر، طاہر اور مسرور میں تقسیم کیا گیا۔ اور ان کے مابین مختلف علمی مقابلہ جات کروائے گئے۔ جن میں مقابلہ تلاوت، اذان، پیغام رسانی، حفظ ادعیہ و احادیث اور کوئز دینی معلومات شامل تھے۔ جس میں اطفال و خدام نے بھرپور شرکت کی۔ دوران اجتماع گاہے بگاہے نعرہ ہائے تکبیر بلند ہوتے رہے اور نعروں کے دوران اطفال و خدام کا جوش و ولولہ دیدنی تھا۔

بعد از نماز ظہر و عصر، شاملین کو ظہرانہ پیش کیا گیا اور یوں اجتماع کے پہلے حصہ کا اختتام ہوا۔

ورزشی مقابلہ جات

اسی دن شام کو طاہر احمدیہ سیکنڈری سکول کیلاہوں کے گراؤنڈ میں ورزشی مقابلہ جات کروائے گئے۔ جن میں دوڑ 100 میٹر، تین ٹانگ دوڑ، ریلے ریس، ثابت قدمی اور گروپس کے مابین فٹ بال کا نمائشی میچ کروایا گیا۔ جس میں اطفال و خدام نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

اختتامی تقریبِ تقسیم انعامات

علمی و ورزشی مقابلہ جات میں اعزاز پانے والے اطفال و خدام میں انعامات تقسیم کئے گئے۔ مجموعی طور پر طاہر گروپ اول انعام کا حقدار قرار پایا۔ بعد ازاں قائد مجلس مسٹر کومبر نے معاشرہ میں خدام کا کردار اور یوسف سعید صاحب سرکٹ مشنری نے خدام الاحمدیہ کی تاریخ واغراض و مقاصد پر تقریر کی۔ اجتماع کی اختتامی تقریر خاکسار نے ایک مثالی طفل و خادم کے اوصاف پر کی اور یوں اختتامی دعا کے ساتھ اس بابرکت اجتماع کا اختتام ہوا۔

کل شاملین: 195

درخواستِ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام شاملین اجتماع کے ایمان و اخلاص میں برکت ڈالے اور انکو اجتماع کی برکات اور مقاصد سے بھرپور حصہ پانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

چھوٹی مگر سبق آموز بات

شعر کہنا

ایک شخص کا اعتراض پیش ہوا کہ میرزا صاحب شعر کہتے ہیں۔ فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خود شعر پڑھے ہیں۔ پڑھنا اور کہنا ایک ہی بات ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کل صحابی شاعر تھے۔ حضرت عائشہؓ، امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے قصائد مشہور ہیں۔ حسان بن ثابتؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر قصیدہ لکھا ہے۔

سید عبد القادر صاحب نے بھی قصائد لکھے ہیں۔ کسی صحابیؓ کا ثبوت نہ دے سکو گے کہ اس نے تھوڑا یا بہت شعر نہ کہا ہو مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو منع نہ فرمایا۔ قرآن کی بہت سی آیات شعروں سے ملتی ہیں۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 308 مطبوعہ 2016ء)

مرسلہ: شیخ آدم سعید۔ کینیڈا

02نومبر 2021ء		طلوع فجر	غروب آفتاب
مکہ مکرمہ		05:06	17:44
مدینہ منورہ		05:10	17:41
قادیان		05:23	17:38
ربوہ		05:03	17:18
اسلام آباد ٹلفورڈ		05:28	16:35

بقیہ: دربار خلافت...... از صفحہ 2

ہمیں ایم ٹی اے کی نعمت سے نواز دیا ہے۔ پہلے اگر خلیفۂ وقت کی آواز دنیا کے ہر خطے میں فوری طور پر نہیں پہنچ رہی تھی تو اب تو فوری طور پر یہ آواز اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کا پیغام ہر جگہ فوری طور پر پہنچ رہا ہے۔ اگر ہم میں سے بعض لوگ یا خطبات اور تقاریر نہیں سنتے یا سنتے ہیں اور بے دلی سے سنتے ہیں، ایک کان سے سنا اور دوسرے سے نکال دیا تو اُس عہدِ بیعت کو پورا کرنے والے نہیں ہیں کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا، جو بھی معروف فیصلہ فرمائیں گے، اُس کی پابندی کروں گا، اُس کی کامل اطاعت کروں گا۔ یہ اطاعت سے نکلنے والے عمل ہیں کہ ایک کان سے سنا اور دوسرے سے نکال دیا۔ یہ کامل فرمانبرداری سے دور لے جانے والے عمل ہیں۔ ایسے لوگوں کو خدا تعالیٰ نے بڑا انذار فرمایا ہے۔ فرماتا ہے فَوَیۡلٌ لِّلۡمُصَلِّیۡنَ۔ الَّذِیۡنَ ھُمۡ عَنۡ صَلَاتِہِمۡ سَاھُوۡنَ۔ (الماعون: 5-6) پس اُن نمازیوں کے لئے ہلاکت ہے جو اپنی نمازوں سے غافل رہتے ہیں۔ یہ غفلت نماز باجماعت کی طرف توجہ نہ دینے سے بھی ہے، باقاعدگی سے نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے بھی ہے۔ پوری توجہ نماز میں رکھنے کی کوشش نہ کرنے کی وجہ سے بھی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز میں بعض دفعہ توجہ قائم نہیں رہتی لیکن بار بار اپنی توجہ کو نماز کی طرف لانا ضروری ہے اور یہ بھی ایک مطلب ہے اقامت الصلوۃ نماز کے کھڑی کرنے کا، نماز کے قیام کا۔ پس بڑے خوف کا مقام ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے ہمیں اس طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص جس نے مجھے نہیں مانا، غلطیاں کرتا ہے تو بیشک وہ گناہگار ہے۔ لیکن مجھے ماننے والے جو ایک عہدِ بیعت کرتے ہیں اور پھر اُس کی تعمیل نہیں کرتے، زیادہ پوچھے جائیں گے۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 182 ایڈیشن 2003ء)

(خطبہ جمعہ 22/ جون 2012ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)